علمی، تحقیقی ادبی فکروں کا بے باک ترجمان

ماہنامہ

الماس

ممبئی

مُدیر

مفتی شرف الدین عظیم الاعظمی

معاون مُدیر

مولانا حفظ الرحمٰن اعظمی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

غیر موقت

علمی، ادبی اور تحقیقی فکروں کا ترجمان

الماس ممبئی

جلد نمبر: ۴   محرم الحرام: ۱۴۴۶ھ، مطابق جولائی: ۲۰۲۴ء   شمارہ نمبر: ۷

سرپرستان

مولانا شفیق احمد قاسمی امام وخطیب عرب امارات

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی رفیق اعزازی دارالمصنفین

مدیر تحریر: مفتی شرف الدین عظیم الاعظمی

معاون مدیر: مولانا حفظ الرحمن الاعظمی

مجلس مشاورت

مفتی ارشد صاحب شیروانی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا ضیاء الحق خیر آبادی، منظر خیامی، مولانا مفتی ذیشان قاسمی، عامل صدیقی، اسرار احمد سکریٹری جامع انوار

زرتعاون

فی شمارہ:	۵۰/روپئے
سالانہ:	۵۰۰/روپئے
سالانہ خصوصی:	۲۰۰۰/روپئے

ترسیل زر کا پتہ: A/c:36698100019662

IFC code: BARB0TILCHE

مجلس ادارت

مولانا محمد عرفات اعظمی، مفتی شکیل منصور قاسمی، مفتی رضوان قاسمی، مفتی عبید اللہ شمیم اعظمی، مولانا قمر الحسن مہراج گنج، مولانا سرفراز قاسمی، مولانا عبد العلیم اعظمی، مولانا عبد اللہ اعظمی

تزئین: خورشید احمد الاعظمی

ناشر: ادارہ فکر وفن، **انوار جامع مسجد**، شیواجی نگر، گوونڈی، ممبئی، انڈیا

Mobile: 8767438283, 7905452498, 9336482291

Email:sharfuddinazeem@gmail.com, almaasmumbai@gmail.com

اس شمارے میں

اداریہ	آئینۂ ایام	مدیر اعلیٰ	۳
مقالات ومضامین	قربانی سے قربانی تک	مولانا عبدالعلی فاروقی	۶
〃 〃	شہراللہ کی آمد میں امت مسلمہ کے لئے	ڈاکٹر سمیہ ریاض فلاحی	۹
〃 〃	بیت الحکمت: تاریخ، خدمات اور اثرات	مولانا عبدالعلیم الاعظمی قاسمی	۱۱
〃 〃	خاصانِ خدا کے آخری لمحاتِ زندگی	مولانا ضیاء الحق خیرآبادی	۱۶
〃 〃	''متاعِ وقت اور کاروانِ علم'' ایک مطالعہ	محمد عرفات اعجاز اعظمی	۲۰
〃 〃	انسانی اعضاء کی پیوندکاری کا شرعی حکم	مولانا نسیم ظفر بلیاوی قاسمی	۲۴
وفیات	ہم حرف وفا خون سے تحریر کریں گے	مفتی شرف الدین عظیم الاعظمی	۲۷
ادبی شاہکار	قاضی عبدالرحمن حیرتؔ اور ان کا سرمایہ۔۔۔	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	۳۰
〃 〃	تاروں بھرے آسمان سے یہ مٹھی بھر تارے	خواجہ کوثر حیات اورنگ آباد دکن	۳۳
تعارف کتب	انوار المشکوٰۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح	مفتی شرف الدین عظیم الاعظمی	۳۸
〃 〃	اتر پردیش کے قلم کار	مفتی شرف الدین عظیم الاعظمی	۴۲
آپ کے خطوط		مولانا ضیاء الحق خیرآبادی	۴۴
خبر و نظر		ادارہ	۴۶
آپ کے مسائل	طواف زیارت، رمی کے مسائل	مفتی محمد آزاد بیگ قاسمی بہرائچی	۴۷
غزل	سب نے ملائے ہاتھ یہاں تیرگی کے ساتھ	وسیم بریلوی	۴۸
〃	روشنی بزم میں جو آپ کے آنے سے رہی	نوشاد اشہر اعظمی	۴۸

اداریہ:

آئینہ ایام

مدیر اعلیٰ

آمرانہ اقتدار روبہ زوال اور اپوزیشن اتحاد کی ذمہ داری:

۲۰۲۴ء کا ہنگامہ خیز الیکشن کرب واضطراب کی فضامیں اپنے اختتام کو پہونچا، یہ الیکشن اقلیتوں کی تباہی یا سلامتی کی ریڈ لائن تھی، برقانی جماعت اور حکمراں طبقے نے اقتدار پر قبضے کے بعد اقلیتوں کی سالمیت کی لاش پر اپنے مخصوص نظریات کے تسلط کا برملا اعلان بھی کر دیا تھا، اس ہدف کو حاصل کرنے کے لئے رام مندر کی پران پر تسٹھا، اس کے عالمی پیمانے پر جشن، اس کے لئے سرکاری سطح پر تیاری کا حوالہ دیا گیا اور مسلمانوں کے سلسلہ میں قیادت عظمیٰ کی طرف سے انتخابی ریلیوں میں زیادہ بچے پیدا کرنے، ہندوخواتین کے اجسام سے منگل سوتر چھیننے اور گھس پیٹھ کا فرقہ ورانہ اور اشتعال انگیز الزامات لگا کر چارسو پار کا زور وشور سے نعرہ بلند کیا گیا، زعفرانی طبقہ کے چانکیہ امتساہ کا مذہب کے نام پر پسماندہ مسلمانوں سے ریزرویشن چھین لینے کا عہد اور یوپی ریاست کے بدترین ڈکٹیٹر یوگی کا اذانوں اور دیگر شخصی واسلامی امور کی پابندیوں پر مجمع عام میں فخریہ اعلان اور آئندہ مذہبی وجمہوری حقوق کو سلب کرنے کے متکبرانہ ورعونت بھرے لہجے میں عزم کا اظہار کیا گیا۔

مگر نفرت وتعصب اور فرقہ واریت کے شراب سے بھرے ہوئے مذہب کے تمام مذکورہ جام وسبو بے اثر اور بیکار ثابت ہوئے، مسلمانوں نے اپنے وجود وبقا اور ملک کے جمہوری آئین کی سالمیت کے لئے صالح فکر اور سنجیدگی کا ثبوت فراہم کیا اور متحد ہوکر سیاسی کینوس پر ایک قوت کی صورت میں ظاہر ہوئے، خاص بات اس الیکشن کی یہ بھی تھی کہ اکثریت نے حکمراں جماعت کے تمام متعصّبانہ منصوبوں اور مسلم دشمنی پر مشتمل نعروں کو مسترد کرکے یہ ثابت کر دیا کہ اس ملک میں اب بھی سیکولرازم پر یقین رکھنے والے بڑی تعداد میں موجود ہیں، اور یہ کہ مذہب کی لاش پر تعمیر ہونے والی عمارت اور مذہب کے نام پر عوام کو پلائی جانے والی فرقہ وارانہ اور متشددانہ افیم کا نشہ زیادہ دیر تک نہیں رہتا، بالآخر حزب اقتدار تمام تر غیر آئینی وغیر اخلاقی حربوں کے باوجود حکومت سازی کے حوالے سے ناقص تعداد پر سمٹ گیا، چندر بابو نائیڈو اور نتیش کمار کی فسطائیت نوازی ہے کہ حزب اقتدار تیسری بار کرسی اقتدار پر ہے لیکن اس طرح کہ اس بار اس کرسی اقتدار کے پاؤں بہت کمزور ہیں کب ٹوٹ جائیں کچھ کہا نہیں جاسکتا۔

یہ وقت کس کی رعونت پر خاک ڈال گیا
یہ کون بول رہا تھا خدا کے لہجے میں

انتخابات کے یہ نتائج فرقہ پرستوں کے لئے سبق ہے کہ حکومت وسیادت کی بقا کا راز ملک وقوم کی تعمیر وترقی اور انصاف ومساوات میں مضمر ہے، نہ کہ مذہب کے نام پر انتہا پسندی اور فرقہ پرستی میں، مگر اس کے باوجود اس طبقے نے اس سے کوئی سبق نہیں لیا اور اب بھی ایک مخصوص اقلیت اس کے حملوں کے نشانے پر ہے، گائے کے گوشت کے فرضی الزامات کے تحت عین عیدالاضحیٰ کے دنوں میں صوبہ ایم پی میں پورے مسلم محلے کو منہدم کر دیا گیا، مسجدوں اور مدرسوں کو بلڈوز کرنے کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔

جس وقت دہلی میں پارلیمانی حلف برداری کا اجلاس ہو رہا تھا اسی روز ۲۶ رجون کو دہلی ہی میں ایک شدت پسند ہندو لیڈر کی شکایت پر فورس کے ذریعے ایک مسجد کو شہید کر دیا گیا، ۸ رجون کو پرتاپ گڈھ ضلع میں معروف دینی وملی رہنما مولانا فاروق صاحب کو معمولی سی بات پر اکثریت کے سفاک درندوں نے مار ڈالا، چند ہی روز کے بعد علی گڑھ میں شر پسندوں کے ہجوم نے ایک مسلم شخص کی جان لے لی، دہلی ہی میں بی جے پی لیڈر کرنیل سنگھ نے حال ہی میں دو لاکھ مسلمانوں کے قتل کی دھمکی دیا ہے اور اس نفرت انگیز انسانیت دشمن بیان کو شوشل میڈیا پر بھی وائرل کر کے دہشت گردی کا ثبوت دیا ہے مگر مجال ہے کہ ریاست ان واردات پر ایکشن لے بلکہ وہ اس طرح مطمئن ہے گویا سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہے۔

غرض جس بربریت، قتل وغارت گری اور دہشت گردی کا سامنا گذشتہ دور میں مسلم اقلیت کر رہی تھی آج بھی وہ اسی طرح مسلسل حملوں کا شکار ہے، ایسی صورتِ حال میں انڈیا اتحاد خصوصا دس سال کے بعد منتخب ہونے والے اپوزیشن لیڈر راہل گاندھی کی ذمہ داری ہے کہ اپوزیشن کی سطح پر وہ پوری قوت سے متعصّبانہ کریک ڈاؤن اور ہجومی قتل وغارتگری کے خلاف آواز اٹھا کر اقلیتوں کے تحفظ کو یقینی بنائے، تا کہ آئندہ انہیں منصفانہ کرداروں کی بنیاد پر دہرے معیار اور جانب دارانہ سلوک کی شکار عوام کی اکثریت کرسی اقتدار سونپنے کے لئے پوری قوت سے کھڑی ہو سکے۔

نعرۂ تکبیر وفلسطین:

۲۵ رجون منگل کو ایوان زیریں (لوک سبھا) میں حلف برداری کی تقریب میں اسدالدین اویسی کے حلف لینے کے دوران فلسطینیوں سے اظہار یکجہتی پر یرقانی ممبروں نے سخت ردعمل کا اظہار کیا اور اسپیکر سے ایکشن کا مطالبہ بھی کیا، لادینیت پر قائم پارلیمانی مجلس درحقیقت مذہبی نعروں کی جگہ ہی نہیں ہے لیکن اس کے برخلاف یرقانی ٹولے جی بھر کر یہاں مذہب کو کیش کرتے ہیں، اس مرتبہ بھی ان لوگوں نے وندے ماترم اور جے شری رام کا نعرہ لگایا؛ بلکہ ایک رکن نے تو ہندو راشٹر کا بھی نعرہ لگایا جو بالکل جمہوری آئین کی پامالی اور ایوان کا مذاق ہے مگر اس پر کسی فرد کی آواز نہیں اٹھی، یہ ملک جمہوری اور سیکولر آئین ودستور پر عمل میں آیا ہے لہٰذا اسکے مقدس ایوان میں اس طرح

غیر قانونی اور جنونی نعرے کس زمرے میں آتے ہیں، وضاحت کی ضرورت نہیں ہے انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہندو راشٹر کے نعرے پر کارروائی ہونی چاہیئے مگر یہاں طاقت ہے اور اکثریت ہے تو سارے جرائم معاف ہیں اور فلسطین جس کی حمایت بابائے قوم گاندھی جی نے کھل کر کی تھی اس سے اظہار یکجہتی قابل اعتراض عمل شمار کر دیا گیا، اسپیکر اور عدالت کو اس شور وغوغا پر نہایت سنجیدگی سے فیصلہ لینا چاہیے ورنہ ملک پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوں گے اس لیے کہ محض اقلیت سے دشمنی پر قائم اس اعتراض کو قبول کرنے کی صورت میں عالم عرب میں ملک کے حوالے سے منفی پیغام پہونچے گا جو یقیناً ملک کے مفادات کے خلاف ہوگا۔

شکست خوردہ اسرائیل کی درندگی:

کل ۲۵ ؍جون کو خنزیری حکومت نے رفح کے پناہ گزین کیمپ پر پھر شدید بمباری کر کے وحشیانہ درندگی کا ثبوت دیا ہے، جس میں اسماعیل ہانیہ کی بہن سمیت خاندان کے تیرہ افراد شہید ہو گئے، غزہ کے بے یار ومددگار اور بے بس مجبوروں اسرائیلی حملے اور قتل عام اس تسلسل سے ہو رہے ہیں کہ جیسے اس کے نزدیک فلسطینی قوم انسان ہی نہیں ہے، ایک طرف انسانی حقوق کے نام نہاد یوروپی ممالک اور امریکہ وبرطانیہ ہیں جنہوں نے اس قتل عام کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے اور مستقل ملکی پیمانے پر قتل کے لئے اسلحہ بارود فراہم کر رہے ہیں، دوسری طرف عرب دنیا ہے جس کی بے حسی کا عالم یہ ہے کہ اسرائیلی مصنوعات کو اپنی زندگی سے ا کرنے کو بھی تیار نہیں ہے، کیسا عجیب قیامت کا منظر ہے کہ اپنے بھی بیگانے ہیں اور غیر کا تو ذکر ہی کیا، مگر آفرین ہے کہ ایسے قیامت خیز ماحول میں بھی مجاھدین استقامت کی چٹان بن کر کھڑے ہیں، یہ بھی حقیقت ہے کہ جب سارے سہارے ٹوٹ جاتے ہیں، امیدوں کے تمام دیئے بے نور ہو جاتے ہیں تو اچانک تاریکیوں میں ایک روشنی نمودار ہوتی ہے، کبھی کبھی اس کی علامت یہاں بھی نظر آ جاتی ہے۔

حال ہی میں اسرائیل کی عدالت نے ان مخصوص یہودی قبیلوں کو بھی اس جنگ میں شرکت کا حکم صادر کیا ہے جنہیں خنزیری حکومت نے ابتدا ہی سے مستثنیٰ کر رکھا تھا، اس فیصلے سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ اب تک اس دہشت گرد نے پسماندہ اور مزدور طبقات ہی کو جنگوں میں جھونکا ہے، اس کا اثر آپسی انتشار احتجاج اور مخالفت کی صورتمیں ظاہر بھی ہو رہا ہے، دوسری طرف لبنان میں حزب اللہ بھی اس ناجائز ریاست کے لئے گلے کی ہڈی سے کم نہیں ہے، حقیقت میں یہ ریاست بدترین شکست سے دوچار ہے اور اسی پاگل پن میں یہ مسلسل حملے کر کے نہتوں کا خون بہا رہی ہے، ظلم کا انجام عبرتناک ہوتا ہے اس کا بھی انجام بدترین ہوگا، اس کے وزیر داخلہ کا یہ بیان اس شکست اور پاگل پن کا کھلا ثبوت ہے کہ حماس ایک نظریہ ہے جسے شکست دینا ناممکن ہے۔

....

مقالات ومضامین:

قربانی سے قربانی تک

مولانا عبدالعلی فاروقی
ناظم دارالعلوم فاروقیہ ومدیر اعلیٰ ماہنامہ ''البدر'' کاکوری لکھنؤ

اسلام نام ہے اطاعت گذاری، فرماں برداری، اور خودسپردگی یعنی سرینڈر کردینے کا۔ مسلم وہی کہلائے جانے کا حق دار ہے جس نے اپنی جان، اپنے مال، اور اپنی تمام نفسانی خواہشوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضاوخوشنودی کے سپرد کردیا ہو۔ حقیقی مسلم ومومن وہی ہے جو یہ کہتا نظر آئے کہ **إِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ o** (بے شک میری نماز، اور میری قربانی، اور میری زندگی، اور میری موت سب اس اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام عالموں کا پالنہار ہے) اپنی چاہتوں اور اپنی تمام تر مرغوبات کو کسی کے سپرد کردینے، اور خود اپنی ذات اور اپنی مملوکات پر اپنے سے بڑھ کر کسی کی حق داری کو تسلیم کرلینے، اور خوشی خوشی اس کے سامنے سرینڈر کردینے سے بڑھ کر قربانی کیا ہوسکتی ہے؟۔

یہ اسلامی سال کا بارہواں مہینہ ذی الحجہ ہے، اور اس کے بعد نئے اسلامی سال کا پہلا مہینہ محرم الحرام ہوگا۔ اس ماہ ذی الحجہ میں بھی دنیا کی انسانی تاریخ کی ایک عظیم الشان قربانی کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا تھا، ایک زبردست ابتلاء وآزمائش میں ڈالے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑھاپے کی لاٹھی، آرزوؤں وتمناؤں کے مرکز، اور مستقبل کی امیدوں کے سہارا، صالح ولائق فرزند اسماعیل کے ذبح کئے جانے کا خواب میں حکم دیا گیا۔ ابراہیم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ نبیوں کے خواب سچے ہوتے ہیں، اس لئے انہوں نے صبح اٹھ کر اللہ کی راہ میں ایک سو اونٹ ذبح کئے، دوسری رات پھر یہی خواب دکھایا گیا اور ابراہیم علیہ السلام نے ایک سو اونٹ ذبح کئے۔ تیسری شب خواب میں وضاحت کی گئی کہ ابراہیم! اونٹوں کی نہیں تمہارے فرزند اسماعیل کی قربانی مطلوب ہے۔

اب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کلیجے پر پتھر رکھ کر اپنے رب کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے لائق فرزند اسماعیل سے کہا: **یَا بُنَیَّ إِنِّیْ أَرٰی فِی الْمَنَامِ أَنِّیْ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی** (میرے پیارے بیٹے، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں (راہ خدا میں) ذبح کر رہا ہوں۔ اب بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے) لائق فرزند نے حسب توقع جواب میں کہا: **یَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِیْنَ o** (اباجان، آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اسے کرگذریئے، ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے)۔ قربانی، وہ بھی بیٹے کی قربانی

بی بی پھر وہ بھی بوڑھے باپ کا اپنے جوان العمر بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنے کا مطالبہ۔ایک طرف بندگی اور دوستی کا حق،دوسری طرف بیٹے کی محبت کا تقاضا-----؂

رخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے

ایک ایسی آزمائش جس کے زمین سے آسمان تک چرچے،آسمانوں میں معصوم فرشتے دم بخود اور بوڑھے ابراہیم کے لئے اپنے رب سے رحم کے طلب گار.......لیکن صبر وثبات اور ایثار ووفا کے پیکر یہ دونوں باپ بیٹے اپنے رب کے مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے پرعزم و پرجوش،پوری تیاری کے ساتھ ابراہیم اپنے لخت جگر کی گردن پر خوب زور لگا کر چھری پھیر رہے ہیں،مگر چھری اپنا کاٹنے کا کام نہیں کر رہی ہے۔کیوں کہ جس طرح ابراہیم کو ذبح کرنے کے لئے گردن پر چھری پھیرنے کا حکم دیا گیا تھا اسی طرح چھری کو اپنا کام نہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے خلیل سے اس کے بیٹے کا گلا کٹوانا مطلوب نہیں تھا،اسے تو اپنے ابراہیم کا امتحان لے کر اور اس میں کامیاب کر کے قیامت تک آنے والے انسانوں کے سامنے ایثار و بندگی اور عزم وثبات کا ایک نمونہ پیش کرنا تھا۔چنانچہ خلیل اللہ ابراہیم کی کامیابی و کامرانی پر خود رب العالمین نے مژدہ سنایا،اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُo وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍo وَ تَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَo سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِیْمَ۔ (بلاشبہ تھی تو یہ کھلی ہوئی آزمائش،اور ہم نے اس کے فدیہ میں ایک بڑا جانور ذبیحہ کے لئے دیا،اور ہم نے باقی رکھا (رکھنے کا فیصلہ کیا) اس ذکر خیر کو بعد میں آنے والوں میں)

ابراہیم اپنے رب کی اس زمائش میں کامیاب ہو کر سرخ رو ہو گئے،اور ان کے رحیم وکریم اور قادر ومقتدر رب نے اپنے خلیل کی اس عظیم الشان ولا فانی قربانی کا ذکر و چرچا باقی رکھنے کے لئے ہر سال ان تاریخوں میں جن میں ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل میں قربانی پیش کی تھی،اپنے ایمان والے بندوں پر جانوروں کی قربانی کرنا واجب کر دیا بی بی بس یہی ہے عید قرباں،اور اس میں پیش کی جانے والی جانوروں کی قربانی کی حیثیت کہ ایک مومن بندہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو سن کر کہ مَا عَمَلُ ابْنِ آدَمَ أَحَبُّ اِلٰی اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ یعنی (قربانی کے دنوں میں) ابن آدم کا کوئی بھی عمل اللہ تعالیٰ کو قربانی کا خون بہانے سے زیادہ پسند نہیں ہوتا) اپنے رب کے حضور اپنے جانوروں کی قربانی اس جذبہ سے پیش کرتا ہے کہ؂

تو فراز عرش بریں سہی، یہ جبیں بروئے زمیں سہی
مرے سجدے ہیں ترے واسطے،تو کہیں سہی میں کہیں سہی

اسی طرح اس ماہ ذی الحجہ کے بعد نئے سال سال کا آنے والا پہلا مہینہ بھی کئی عظیم الشان قربانیوں کی یاد دلاتا ہے۔یکم محرم ۲۴ھ کی وہ تاریخ تھی جب مراد ومطلوب نبی،ناز نبی،فخر نبی اور ثمرۂ دعائے نبی،سیدنا حضرت

عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس دنیائے فانی سے منہ موڑ کر راہی ملک بقا ہوئے۔ ان کو تو ان کی مطلوبہ شہادت ملی، انہوں نے تو صرف نبی کے شہر (مدینہ) میں اپنی شہادت کے لئے دعائیں کی تھیں، مگر ان کے رب نے ان کو نہ صرف نبی کے شہر میں، بلکہ نبی کی مسجد، اور ان کے مصلیٰ پر، نبی کے روبرو اور حالت نماز میں ایسی قابل رشک شہادت عطا کی کہ ان کو کفن میں لپٹا ہوا دیکھ کر فاتح خیبر داماد نبی اور شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ بھی پکار اٹھے کہ ''اس سفید پوش'' کے بعد اب روئے زمین پر ایسا کوئی نہیں بچا جسے دیکھ کر اس جیسے اعمال کی میں تمنا کروں''لیکن دوسری طرف فاروق اعظمؓ کی شہادت کے بعد اسلام کا سیل رواں جیسے تھم سا گیا۔مختصر یہ کہ اسلامی سال کے پہلے مہینے کی پہلی تاریخ ہمیں ایک عظیم الشان و نا قابل فراموش شہادت کی یاد دلاتی ہے۔

پھر ۱۰ رمحرم الحرام ۶۱ ہجری کو فرزند رسول، جگر گوشۂ بتول، گلشن رسالت کے مہکتے پھول سیدنا حضرت حسینؓ بن علیؓ کی دردناک و مظلومانہ شہادت کا وہ حادثۂ فاجعہ پیش آیا جسے انسانی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکے گی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کی تاریخ وفا میں شہیدوں کی اتنی بڑی تعداد ہے کہ سال کا کوئی مہینہ، اور شاید کوئی تاریخ ایسی نہ ہوگی جس میں اللہ کے سچے دین کی سربلندی کی خاطر کسی نہ کسی شہید کی شہادت نہ ہوئی ہو۔ پھر ان میں عم رسول حضرت حمزہؓ، داماد رسول حضرت عثمانؓ، اور حضرت علیؓ، برادر رسول حضرت جعفرؓ، اور حِبُّ رسول اللہ حضرت زید بن حارثہؓ جیسے عظیم لوگوں کی شہادتیں بھی شامل ہیں ....لیکن سیدنا حسینؓ کی شہادت کو تاریخ اسلام میں جو خصوصی اہمیت حاصل ہوئی، اور امت مسلمہ نے شہید کربلا حضرت حسینؓ کی مظلومانہ شہادت کو جو مقام دیا وہ اور تو اور خود ان کے برادر گرامی سیدنا حضرت حسنؓ اور ان کے والد ماجد حضرت علی مرتضیٰؓ کی شہادتوں کو بھی نہیں دیا۔اور یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ ماہ محرم کا آغاز ہوتے ہی ہمیں نواسۂ رسول سیدنا حسینؓ کی شہادت ضرور یاد آتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اسلام وہ دین و مذہب ہے جو اپنے تابعداروں سے قربانی کا مطالبہ کرتا ہے۔ جان و مال کی قربانی اور نفس و نفسانی خواہشات کی قربانی۔جس کی یاد دہانی اسلامی سال کے ابتدائی اور اختتامی دونوں مہینوں میں کی جاتی ہے۔

....

مقالات و مضامین:

شہراللہ کی آمد میں امت مسلمہ کے لئے صبر و استقامت کا پیغام

ڈاکٹر سمیہ ریاض فلاحی
آراضی باغ، اعظم گڑھ

رب ذوالجلال کے عطا کردہ بیش بہا انعامات میں سے "منها أربعة حرم" کی سچی تصویر پیش کرنے والا با برکت مہینہ محرم الحرام ہے جسے زبان رسالت مآب ﷺ نے شہراللہ قرار دیا۔ وہ مہینہ جو ایک طرف تعظیم شعائر اللہ کا شعور بیدار کرتا ہے تو دوسری جانب عزم وثبات کا پیغام دیتا ہے۔

دور جدید اور بالخصوص ۷/اکتوبر ۲۰۲۳ء سے جاری غزہ پر اسرائیلی بربریت کے شکار مسلمانان کے لئے یہ ماہ مبارک ایک نئے عزم کی شمع روشن کرتا ہے جس کی تابناک کرنیں دور تک روشنی بکھیرتی ہیں۔ یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس کی حرمت وتقدس زمانہ جاہلیت سے تاحال جاری ہے۔ یہ مہینہ اگر ایک طرف فرعون کے ظلم وستم کی داستان سناتا ہے تو دوسری طرف فتح موسی اور اسرائیل پر رب ذوالجلال کے انعامات کا مژدہ بھی پیش کرتا ہے۔ اگر یزیدی جبر وجور کی تاریخ بیان کرتا ہے تو حسینی پائے استقلال کا رخ انور بھی پیش کرتا ہے۔

ایسے حالات میں جب فلسطینی قوم اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ۷۵ /سالوں سے سربکف ہے اور گزشتہ نو مہینوں سے مسلسل شمشیر بے نیام کھڑی اپنے ایمان اور اولوالعزمی کا ثبوت دے رہی ہے اور ساری مسلم دنیا خاموش تماشائی ہوئی ہے تو یہ مبارک مہینہ ایک خاص پیغام لئے آ پہنچا ہے کہ مسلم امہ جو برسوں سے خاموش ذلت ورسوائی کا شکار ہے وہ اب ہوش کے ناخن لے اور گزشتہ مہینوں سے زیب تن کی ہوئی اپنی بےحسی کی چادر اتار پھینکے اور رب کی فتح و نصرت کا یقین کرتے ہوئے زندگی کی شاہراہ پر گامزن ہو۔

اسلامی کیلنڈر جس کا آغاز ہجرت نبوی سے ہوتا ہے وہ اس بات کا غماز ہے کہ ہر ہجرت اور قربانی ایک نئی نوید صبح لے کر نمودار ہوتی ہے جس طرح نبی رسالت مآب ﷺ نے ہجرت کی برکت سے ایک نئی تاریخ رقم کی اور ایک ایسے معاشرے کی تاسیس رکھی جس کا جلوہ تاباں ابد تک جاری رہے گا۔ ایک ایسا روشن معاشرہ جو مکہ کی گھنگھور تاریکی سے نکل کر مدینہ کی روشن شاہراہ پر قیام پذیر ہوا تو عالم میں ایک انقلاب برپا ہوا بالکل اسی طرح آنے والا اسلامی سال امت مسلمہ کے لئے شمع امید بن کر ایک مژدہ جانفزا سناتا ہے کہ وحشت و درندگی کا پھیلا ہوا جال اب تباہی کا شکار ہو کر ایک نئی اسلامی ریاست کو وجود بخشنے والا ہے۔ اور " ان مع العسر یسرا " کے مصداق بہت جلد اندھیرا روشنی میں تبدیل ہونے والا ہے۔

لیکن کیسے؟ کیا جب انسان مادہ پرستی کا شکار ہوکر انسانیت کا گلا گھونٹ رہا ہو اور بے حسی اس حد تک بڑھ گئی ہو کہ ننھے غنچے کھلنے سے پہلے مرجھا رہے ہوں؟ کائنات میں خوشبو بکھیرنے والے ننھے پودے بے حس ہاتھوں سے مسلے جا رہے ہوں اور اسلام کے علمبردار حکمراں "کل مسئول عن رعیتہ" کے فرمان سے غافل محض اپنی دولت کی بھوک و پیاس مٹانے کے درپے ہوں؟

نہیں، بلکہ "ان کنتم مومنین" کی شرائط پوری کرتے ہوئے "ولا تھنوا ولا تحزنوا" کی سچی تصویر بن کر اقوام عالم کے سامنے اسلام کے پرچم کو لہرائیں اور عزم وثبات کے کوہ گراں بن کر لشکر جرار کی ترجمانی کریں تو وہ دن دور نہیں جب نیا اسلامی سال ''انتم الاعلون'' کا نعرہ بلند کرتے ہوئے خوش آمدید کہے گا۔ بقول شاعر:

انتم الاعلون کی خواہش تو تم کو ہے مگر
بھول جاتے ہو تم ان کنتم کی شرط اولیں

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اتحاد واتفاق کی رسی کو تھامے ہوئے فلسطین کی خستہ قوم کا دایاں بازو بنیں اور شاہین صفت بن کر ظالم درندوں کی درندگی کا سینہ چاک کریں اور کفر کے دریا میں انہیں خس وخاشاک کی مانند بہادیں جس سے واپسی کا کوئی راستہ ممکن نہ ہو بالکل اسی طرح جس طرح لشکر فیل، لشکر فرعون، لشکر یزید محض اب قصہ پارینہ ہوکر نشان عبرت بن کر رہ گئے۔ اور نور کی ایسی طلوع سحر ہو جس کے بعد کوئی تاریکی نہ ہو۔

کیونکہ ہر نئے اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہمیں ہجرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم واقعہ کی یاد دلاتا ہے، اور اس عہد کی تجدید کرتا ہے کہ اگر مسلمانوں کو دین کی سربلندی کی خاطر مشکلات ومصائب کا سامنا کرنا پڑے، ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جائیں، اپنے دین وایمان کی حفاظت میں اپنا گھر بار سب کچھ لٹانا پڑے، تو قربان کردیں، لیکن اپنی استقامت میں لغزش پیدا نہ ہونے دیں، اور اپنے دین وایمان پر حرف نہ آنے دیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس نئے اسلامی سال میں امت مسلمہ اور بالخصوص فلسطینی اقوام کے لئے فرحت وانبساط کے دروازے کھول دے۔ اور ہم یہ نغمے گنگناتے رہیں:

یہ ماہ مبارک لایا ہے سوغات ہماری نصرت کا اقصی کی حفاظت میں اترا پھر لشکر اعلی قدرت کا
توحید کا پرچم لہرایا جب اہل فلسطیں بول اٹھے ہوگا نہ اثر اب کچھ ہم پر مغرب کی عیش وعشرت کا
نابود ہوئے یہ صیہونی اور کفر کا طلسم ٹوٹ گیا پھر چھا گیا سارے عالم میں اک ابر ہی رب کی رحمت کا

اور ہماری زبان پر بے اختیار یہ کلمات جاری ہوجائیں:

جاء النصر من رب العزة
کشف الدجی بقطاع غزة

اللهم اهل هلال محرم الحرام علينا وعلى فلسطين بالأمن والإيمان والسلامة والإسلام. اللهم ارفع لهم رأية وافتح لهم فتحا مبينا بحلول السنة القادمة. آمين ثم آمين

مقالات ومضامین: **قسط اول**

بیت الحکمت: تاریخ، خدمات اور اثرات

عبدالعلیم الاعظمی
سرائے میر اعظم گڑھ

اموی دورِ حکومت میں مذہبی علوم وفنون کو بہت ترقی حاصل ہوئی؛ لیکن جب عباسی تحریک کے ذریعہ انقلاب آیا اور بنوعباسیہ کی حکومت قائم ہوئی، تو دیگر میدان میں ترقی اور نئی نت دریافتوں کی طرح علوم وفنون کے میدان میں بھی نئی نئی جہتیں ہویدا ہوئیں، عباسی خلفاء کی علم دوستی نے معاشرہ کو علمی میں رنگ میں رنگ دیا۔ بغداد کی تعمیر کے بعد عباسی دورِ حکومت میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے، بغداد دنیا میں تجارتی، سیاسی اور علمی مرکز بن جاتا ہے، اسی شہر بغداد کا ایک ادارہ ''بیت الحکمت'' ہے، جس نے سائنس وٹیکنالوجی، ترجمہ نگاری اور عقلی علوم وفنون کے میدان میں ایسے کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں، جس نے نہ صرف عالم اسلام بلکہ پوری دنیا کو متاثر کیا اور دنیا کی ترقی و کامرانی کی رفتار کو بڑھا دیا۔ بیت الحکمت محض ایک ادارہ، ایک ترجمہ نگاری کا مرکز اور رصدگاہ نہیں تھی؛ بلکہ یہ ایک تحریک، ایک مشن اور ایک انقلاب تھا، جس کی وجہ سے نہ صرف عالم اسلام بلکہ مغربی دنیا میں بھی اس طرح کے اداروں کی بنیاد پڑی۔ بیت الحکمت نے اسلامی معاشرہ میں تحقیق وریسرچ کو بڑھاوا دیا، غور وفکر کی نئی نئی جہتیں، سوچنے اور سمجھنے کے لئے نئے نئے ابواب واں کئے۔ ذیل میں ہم بیت الحکمت کے تعارف، تاریخ، خدمات اور کارناموں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

بیت الحکمت: ایک تعارف:

عباسی حکومت قائم ہونے کے بعد جب منصور (۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ) نے عظیم تاریخی شہر بغداد کو بسایا اور اس کو سیاسی مرکز بنایا تو عباسی خلفاء کی علم دوستی، علماء، مفکرین اور دانشوران کی حمایت ونصرت کی وجہ سے شہر بغداد علمی مرکز بھی بن گیا۔ علمی مرکز ہونے کی وجہ سے شہر میں متعدد ذاتی اور عوامی لائبریریاں قائم کی گئیں۔ خود منصور نے محل میں ایک لائبریری ''خزینۃ الکتب'' کے نام سے بنائی تھی۔ عباسی دور میں جب ترجمہ نگاری کی تحریک شروع ہوئی تو بیت الحکمت (تاریخ آگے تفصیل سے آرہی ہے۔) کا قیام عمل میں آیا۔ اس کا بنیادی مقصد علوم حکمیہ اور دوسرے فنون کی یونانی، سریانی، کلدانی، قبطی، فارسی اور سنسکرت زبانوں کی کتابوں کا عربی ترجمہ، تالیف، تشریح اور تعلیق، رصد گاہوں کی تشکیل اور آلات رصدیہ کی صناعی تھی۔ بیت الحکمت، ترجمہ وتالیف اور سائنسی تجربات کا مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم الشان لائبریری بھی تھی، جس میں مذہبی علوم سے لیکر سائنسی علوم تک کی کتابوں کا عظیم ذخیرہ

تھا۔اس کتب خانہ میں دنیا کی متعدد زبانوں میں لکھی گئی کتابیں موجود تھیں۔بیت الحکمت کے قیام اوراس کی ترقی میں البرامکہ خاندان کا کلیدی کردار رہا ہے۔

بیت الحکمت: تاریخ کے مختلف ادوار میں:

بیت الحکمت کے قیام اوراس کے بانی کے سلسلے میں اختلاف ہے،اکثر مورخین ومحققین کا خیال ہے اوریہی درست رائے بھی ہے کہ بیت الحکمت کا قیام ہارون الرشید(۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ) کے دور میں ہوا۔بعض مورخین نے اس کا بانی مامون الرشید(۱۹۸ھ تا ۲۱۷ھ) کوقرار دیا ہے، جب کہ چندایک مورخین کا رجحان ہے کہ اس کی بنیادمنصور ہی نے رکھ دی تھی جو کہ شروع میں ایک لائبریری کی شکل میں تھا۔ان تمام آراء کے درمیان تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جب منصور نے بغداد بسایا توایک عظیم لائبریر''خزینۃ الکتب'' کے نام سے قائم کی اورعلوم اسلامیہ اورحکمیہ کی ہزاروں کتابیں جمع کی گئیں۔منصور کے بعد ہارون الرشید نے اپنے دورحکومت میں اس کومزید ترقی دی۔مختلف ممالک سے سائنسی علوم وفنون کی کتابیں منگوائیں اورترجمہ نگاری کا آغاز کردیا۔ہارون کے بعد مامون کا دور بیت الحکمت کا زریں دوررہا ہے۔مامون نے لائبریری کوترقی دی۔ترجمہ نگاری کی تحریک کو بڑھایااورعہد مامون میں سینکڑوں کتابوں کے ترجمے کے گئے۔مامون نے ایک اوراہم کارنامہ انجام دیا،اس نے بیت الحکمت کے تحت ایک رصدگاہ قائم کی جہاں پرسائنسی تجربات شروع ہوئے۔المعتصم (۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ) واثق (۲۲۷ھ تا ۲۳۲ھ) اورالمتوکل (۲۳۲ھ تا ۲۳۵ھ) کے عہد خلافت میں یہ ادارہ ترقی کی راہ پرگامزن رہااوراس عہد کے اس کی ترقی کے تذکرے کتابوں میں ملتے ہیں۔اس کے بعد المنتصر (۲۳۵ھ تا ۲۴۸ھ) اورالمستعین (۲۴۸ھ ۲۵۱ھ) کے عہد میں بیت الحکمت کا واضح طور پر پتہ نہیں چلتا ہے۔المعتمد (۲۵۶ھ تا ۲۷۹ھ) کے عہد میں بیت الحکمت پرازسرنوتوجہ دی گئی،اورعلماء وحکماء کواطراف واکناف سے خاص طور سے بلوایا گیا۔عیسی بن علی کومہتمم بنایا گیا۔عیسی ابن علی کے بعد بیت الحکمت کا تذکرہ کتابوں میں نہیں ملتا ہے۔غالب گمان ہے کہ اس کے تمام شعبے ختم ہوگئے اوراس کی حیثیت صرف خزینۃ الکتب کی ہی ہوکررہ گئی۔اوراس طرح کے شواہد بھی ملتے ہیں کہ کچھ عرصہ بعدخزینۃ الکتب کی کتابیں خلفاءاورامراء کے ذاتی کتاب خانوں میں منتقل ہوگئیں۔اس کے بعد جب تاتاریوں نے بغداد کوتباہ وبرباد کیا توبیت الحکمت کا بھی مکمل خاتمہ ہوگیا۔

بیت الحکمت کے شعبے

بیت الحکمت مندرجہ ذیل تین اساسی شعبوں پر مشتمل تھا:(۱)خزینۃ الکتب(۲)دارالترجمہ والتالیف(۳) رصدگاہ۔

خزینۃ الکتب:

خزینۃ الکتب لسانیاتی اعتبار سے جن ضمنی شعبوں پر مشتمل تھا ان میں یونانی،سریانی،کلدانی،قبطی،فارسی،

سنسکرت اور عربی زبانیں شامل تھیں۔ ہر زبان کے شعبے کا نگراں اس زبان کے ساتھ ساتھ دوسری زبانوں کا اچھا واقف کار ہوتا تھا۔ بیت الحکمت کے قیام سے پیشتر ہی خلفائے بنو عباس میں کتابوں کی تلاش وجستجو اور ترجمہ وتالیف کا شوق موجود تھا، عباسی خلیفہ ابو العباس السفاح کے عہد میں اس جانب توجہ نہیں دی گئی، تاہم دوسرا عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کتابوں کی فراہمی میں سرگرداں رہتا تھا۔ اس نے علوم اسلامیہ وحکمیہ کی ہزاروں کتابیں فراہم کرائی تھی اور اس کے ذخیرے کے اکثر وبیشتر کتابیں تحائف ونذرانہ میں ملی تھیں، خلیفہ مہدی (۱۵۸ھ تا ۱۶۹ھ) کے عہد میں علمی ترقی کی رفتار سست ہوئی اور کتابوں کی فراہمی کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔ لیکن ہارون الرشید نے علم میں ذاتی دلچسپی کے باعث بیت الحکمت قائم کیا اور خزینۃ الکتب کے شعبے میں منصور کے عہد سے اب تک کی تمام کتابیں یکجا کرا دیں، چنانچہ اس شعبے کے نتیجے میں کتابوں کا اچھا ذخیرہ جمع ہو گیا، اور اس سلسلے میں ہارون اور اس کے بعد مامون کی کوششوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ المامون کی علم دوستی اس قدر مشہور تھی کہ گرد ونواح کے معاصر حکمران اپنے دوستانہ تعلقات کو مستحکم کرنے کے لیے اس کے میلان طبع کو دیکھتے ہوئے تحائف اور ہدایا میں کتابیں اور ترجمہ نگار بھیجا کرتے تھے۔ خزینۃ الکتب میں کئی ہال تھے، جو کہ ان کتابوں کے جمع کرنے والوں کی طرف منسوب تھے، مثلا: ہارون رشید کی جمع کردہ کتاب کے لئے ''خزینۃ الرشید''، مامون کے ذریعہ اکٹھا کی گئی کتابوں کو ''خزینۃ المامون'' کا نام وعنوان دیا گیا۔

خزینۃ الکتب کے لیے کتابوں کی فراہمی کے سلسلے میں یحیی بن خالد برمکی کی کاوشیں ناقابل فراموش ہیں، وہ علوم فلسفہ، حکمت وطب کا شیدائی تھا۔ کتابوں کا ذاتی ذخیرہ بھی رکھتا تھا، چنانچہ جس قدر کتابیں یحیی کے کتب خانے میں موجود تھیں اس قدر کتابیں کسی بادشاہ کے پاس نہ تھیں، ہر کتاب کے تین تین نسخے موجود تھے، مزید نامی خوش نویسوں کے ہاتھ سے لکھی ہوئی کتابیں تھیں۔ اس وقت یہ بات مشہور تھی کہ اگر کوئی نایاب کتاب فروخت ہوتی تو اولا یحییٰ کو دکھلائی جاتی، کیونکہ وہ ایک کتاب کے بدلے ایک ہزار درہم دیتا تھا، خلیفہ ہارون رشید کے کتب خانے میں زیادہ تر کتابیں یحییٰ برمکی کے کتب خانے کی تھیں۔

دار الترجمہ والتالیف:

بیت الحکمت کا یہ شعبہ بہت ترقی یافتہ تھا، ہارون رشید کے دور میں اگرچہ اس شعبہ سے بہت سے نامور حکماء، مترجمین اور دانشوران منسلک تھے، لیکن مامون کے عہد میں بہت زیادہ ترقی ہوئی اور اس کو مزید پانچ ذیلی شعبوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ جو کہ درج ذیل ہیں:

(۱) شعبہ ترجمہ (۲) شعبہ اصلاح ونظر ثانی (۳) شعبہ تالیف (۴) شعبہ تسوید (۵) شعبہ جلد سازی

شعبہ ترجمہ:

بیت الحکمت کا یہ اہم شعبہ ترجمہ کے کام پر مشتمل تھا۔ مختلف ملکوں کے یہودی، عیسائی، پارسی، ہندو اور مسلم

عالموں کے ذریعہ یونانی، سریانی، فارسی اور سنسکرت زبانوں کی قدیم کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرایا جاتا، چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں اس شعبے کے ذریعہ فلسفہ، حساب، حیات، نجوم، طب، ادب اور اخلاق وغیرہ کوئی سترہ اٹھارہ علوم وفنون کی کتابوں کے ترجمے کیے گئے۔

ترجمہ کردہ کتابوں کی زبانیں:

شعبہ ترجمہ کے تحت مختلف زبانوں کی معتبر کتابوں کے ترجمے ہوئے تھے، ذیل میں زبان کے اعتبار ایک اجمالی جائزہ پیش کرتے ہیں:

۱-: سریانی: اس زبان سے افلاطون، ارسطو، بقراط اور جالینوس جیسے عظیم حکماء کی کتابوں کے تراجم ہوئے تھے، اس کے علاوہ دیگر یونانی دانشوران کی کتابوں کے ترجمے ہوئے تھے، سب سے زیادہ ترجمے اسی زبان سے ہوئے تھے۔

۲-: فارسی: فارسی سے کم وبیش ۱۷ر کتابوں کے تراجم کا علم ہوتا ہے۔

۳-: سنسکرت: اس زبان کی کم وبیش ۲۵ر کتابوں کا ترجمہ ہوا تھا جو اس زبان کے گراں مایہ تراجم طبی، ادبی، اور فلسفیانہ علوم پر محیط تھیں۔

۴-: نبطی: اس زبان سے ۱۴ر کتابوں کے تراجم کا علم ہوتا ہے۔

۵-: عبرانی: اس زبان کی مقدس کتاب توراۃ کے بعض اجزاء کے ترجمہ کا علم ہوتا ہے۔

۶-: لاطینی: اس زبان سے بھی متعدد کتابوں کے تراجم ہوئے ہیں۔

۷-: قبطی: اس زبان سے بھی متعدد علوم وفنون کی کتابوں کے تراجم ہوئے ہیں۔

بیت الحکمت کی اہم شخصیات اور مترجمین

ترجمے کے کام پر یونان، مصر، شام، ایران اور ہندوستان وغیرہ کے نامور حکماء اور اہل زبان وابستہ تھے۔ اس شعبے کے تحت صرف مامون کے عہد میں ۹۰ ارمترجمین کام کرتے تھے۔ ترجمہ کے باب میں چار خانوادوں نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔، ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں: (۱) آل بختیشوع (۲) آل ماسرجویہ (۳) آل حنین (۴) آل ثابت، بیت الحکمت کی دیگر اہم شخصیات اور مترجمین کا اجمالی تذکرہ ہم ذیل میں کرتے ہیں:

محمد ابن موسی الخوارزمی: الخوارزمی مامون کے عہد میں بیت الحکمت کی رصدگاہ سے وابستہ ہوئے، علم جغرافیہ، ریاضی اور فلکیات میں مہارت حاصل تھی، خوارزمی نے الجبرا کوا اور مستقل حیثیت دی۔ اسی نے صفر کو رائج کیا۔ اکائی دہائی کا نظام رائج کرکے رقوم نویسی میں قدرآسانی پیدا کردی۔ مامون کے کہنے پر خوارزمی اور اوراس کے ننانوے شرکاء نے اجرام فلکی کا ایک نقشہ تیار کیا۔ خط نصف النہار کی ایک درجے کی پیمائش کی، آج کی سائنس نے اس کو قریب قریب صحیح تسلیم کیا ہے صرف ۹۵۹ رگز کا فرق ہے۔ خوارزمی نے متعدد علوم وفنون میں شہرہ

آفاق کتابیں بھی لکھی ہیں۔

یعقوب بن اسحاق الکندی: ابو یوسف یعقوب ابن اسحق کندی مختلف علوم وفنون کا ماہر، یونانی، فارسی اور ہندوستانی فلسفہ کا عالم اور پہلا شخص ہے جس کو ''فیلسیوف العرب'' کا خطاب دیا گیا۔ مختلف علوم وفنون سے الکندی کی واقفیت، مہارت اور تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے اٹھارہ موضوع پر کتابیں لکھنے کی تعیین کی گئی ہے، چناں چہ ابن ندیم نے ان کی ۲۳۶ رکتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ کندی بیت الحکمت سے وابستہ تھے اور فلسفے کی متعدد کتابوں کا ترجمہ بھی کیا۔

حنین ابن اسحاق: حنین کا شمار بیت الحکمت کے اہم مترجمین میں سے ہوتا ہے، علم طب پر مہارت حاصل تھی، حنین نے بشمول طب متعدد علوم فنون پر سو سے زائد کتابیں لکھی اور اسی طرح سو سے زائد کتابوں کے ترجمے کئے۔ علم طب اور دیگر علوم میں مہارت کی وجہ سے حنین کے تراجم کو خاص اہمیت وافادیت حاصل ہوئیں۔

قسطا بن لوقا البعلبکی: قسطاء کا شمار عہد عباسی میں طب کی ممتاز شخصیات میں ہوتا ہے۔ قسطا کو فلسفہ، ہندسہ، ہیئت، حساب، نجوم، موسیقی اور طب وغیرہ علوم پر کامل دسترس حاصل تھی۔ قسطا نے ۳۴ رکتابیں لکھیں اور ۱۲ رکتابوں کے ترجمے کئے۔

ثابت بن قرہ: ابوالحسن ثابت بن قرہ علوم حکمیہ، فلسفہ کا ماہر، منطق، حساب، ہندسہ اور طب پر بھی دسترس حاصل تھی۔ ثابت بن قرہ نے مختلف علوم فنون پر ۱۵۰ رکتابیں لکھیں اور ۱۰ رکتابوں کے ترجمے کئے۔

عبداللّٰہ ابن المقفع: عبداللہ بن مقفع کا شمار عہد عباسی کے ممتاز اور مشہور ترجمہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ اس نے فارسی زبان کی متعدد مستند کتابوں کا عربی ترجمہ کیا۔ عبداللہ بن مقفع کے ترجمہ ''کلیلہ دمنہ'' کو اخلاقی لٹریچر میں خاص شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی، اس کے علاوہ عبداللہ بن مقفع نے ۷ رکتابوں کے ترجمے کئے ہیں۔

شعبہ اصلاح ونظر ثانی: اس شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد میں پہلا نام یوحنا بن ماسویہ کا آتا ہے، جو کہ وہ اس شعبے کا پہلا سربراہ تھا، لیکن اس کی اصلاح کردہ کتابوں کا پتہ نہیں چلتا، اس کے بعد حنین بن اسحاق اس کا سربراہ مقرر ہوا، اس نے ترجمے کو نہ صرف بطور فن روشناس کرایا بلکہ اس کو ایک نیا رنگ اور زبان واسلوب دیا۔ اس شعبے سے تعلق رکھنے والوں میں ایک مشہور فرد ثابت بن قرہ ہے جس نے حکمت، فلسفہ اور طب کی کئی کتابوں کا ترجمہ کیا اور تراجم کی نظر ثانی کی، ایک نام لوقا البعلبکی کا بھی آتا ہے جس نے ترجمے کے ساتھ ساتھ زبردست اصلاحات بھی کیں اور اسے بہتر بنایا۔

(جاری)

....

مقالات و مضامین:

خاصانِ خدا کے آخری لمحاتِ زندگی

مولانا ضیاء الحق خیر آبادی
صدر المدرسین مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی، مبارک پور

مولانا خواجہ سید احمد صاحب نصیر آبادی کی وفات:

مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی، نصیر آباد ضلع رائے بریلی کے ایک ایسے خانوادے سے تعلق رکھتے تھے جو علم ظاہر و باطن دونوں کا جامع تھا۔ جب آپ کی والدہ نے حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمہ کی خدمت میں اولاد نرینہ کے لئے دعا درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ:

''انشاء اللہ فرزند ہوگا، جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام اس کے جد امجد حضرت دیوان احمد کے نام پر رکھا جائے، انشاء اللہ وہ فضل و کمال اور علوم دینی میں بعض اعتبار سے اپنے جد امجد سے سبقت لے جائے گا''۔

آپ کی ولادت ۷؍جمادی الثانیہ ۱۲۴۱ھ کو دوشنبہ کے دن ہوئی، اتفاق یہ کہ اسی دن شام کو حضرت سید احمد شہید نے ہجرت کے ارادے سے رائے بریلی سے کوچ کیا تھا۔ آپ نے درسی کتابیں مختصر المعانی تک اپنے ایک عزیز بزرگ مولانا سید محمد نصیر آبادی سے پڑھیں جو شاہ اسمٰعیل شہید کے شاگرد اور حضرت سید احمد شہید کے خلیفہ تھے ۔ ۱۲۵۴ھ میں آپ کے والد آپ کو مولانا سخاوت علی صاحب جونپوری کی خدمت میں لے گئے جو ایک بڑے عالم اور حضرت سید احمد شہید کے خلیفہ تھے، مولانا جونپوری اس وقت باندہ میں نواب ذوالفقار علی خاں والی باندہ کی طرف سے ریاست کے مفتی اور مدرسہ کے مہتمم تھے اور درس بھی دیا کرتے تھے، تین سال وہاں رہ کر مولانا جونپوری اپنے وطن واپس آ گئے تو آپ بھی ان کے ساتھ جون پور آ گئے، اور مزید ڈیڑھ سال رہ کر ۱۹؍سال کی عمر میں تعلیم سے فراغت حاصل کی، آپ کی ذہنی و اخلاقی تربیت اور مسلک و خیالات میں سب سے زیادہ مولانا سخاوت علی صاحب کا دخل اور اثر تھا۔

آج کے دور میں تصوف و سلوک کو... جو تزکیہ باطن کے لئے بنیاد و اساس ہے... چاہے جتنا مطعون کیا ہے، لیکن اس دور میں اسے اصلاح نفس کے لئے ایک لازمی جز خیال کیا جاتا تھا، آپ نے سب سے پہلے حضرت شاہ یار محمد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی جو حضرت سید شاہ نجم الہدیٰ نصیر آبادی کے خلیفہ تھے۔ ان کے بعد آپ نے اپنے استاد اور بھائی مولانا سید محمد بن اعلیٰ نصیر آبادی کے ہاتھ پر بیعت کی جو حضرت سید احمد شہید کے خلیفہ تھے۔ اپنے استاد اور شیخ کے انتقال کے بعد ۱۲۷۸ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کے نواسے اور

حضرت شاہ اسحاق صاحب کے چھوٹے بھائی مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب دہلوی کی خدمت میں رہے اور ان کی خصوصی توجہ آپ پر رہی ان سے اجازت وخلافت حاصل کی اور علوم وظاہری وباطنی دونوں سے مالا مال ہوئے۔

حصول علم کے بعد آپ برابر ہدایت وارشاد میں مشغول رہے، اور حضرت سید احمد شہید کی طرح شہروں اور دیہات وقصبات کے سفر کئے، وعظ وتقریر اور تعلیم وتربیت کے ذریعہ جہل وضلالت اور بدعات وخرافات کی تاریکیوں کو دور کیا، جن جن علاقوں میں آپ کا دورہ ہوتا تھا وہاں سنت وشریعت کا نور پھیلتا گیا۔ بقول حضرت مولانا علی میاں ندوی: حصول علم کے بعد تادم واپسیں آپ ہدایت وارشاد میں مشغول رہے اور اپنی زندگی کا کوئی دن یہاں تک کہ مرضِ موت کا کوئی لمحہ ضائع نہیں کیا۔ (یہ تمام سوانحی معلومات ''کاروانِ ایمان وعزیمت'' سے لی گئی ہیں۔) آپ کی وفات کا مفصل حال مولوی حکیم فخر الدین صاحب خیالی (جدامجد مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی) کی زبانی سنئے:

''حضرت دموی المزاج تھے، ایک مرتبہ خدا کی مشیت سے ضعف بہت ہوگیا، خدام کی مجلس میں آپ نے ذکر فرمایا، ایک ناواقف نے قصداً نہیں بلکہ قوت پیدا کرنے کے خیال سے ناواقفیت کی بنا پر کشتوں کی قسم کی کوئی دوا دیدی، حضرت نے نوش فرمائی، انہیں مہینوں میں کچھ انڈوں کا استعمال بھی زیادہ ہوا، اس کی حرارت سے خون میں کچھ جوش پیدا ہوگیا، اور چند دنوں میں بہت بڑھ گیا، لیکن مسہلات اور مناسب تدابیر سے اللہ تعالی کے حکم سے یہ شکایت زائل ہوگئی، اور آپ کو آرام ہوگیا، عین مسہل کے زمانے میں ہیضہ پھیل گیا، مسہل ہیضہ میں تبدیل ہوگیا، کئی سو کی تعداد میں اسہال کی نوبت آئی، اور صحت سے مایوسی ہوگئی، لیکن '' **فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ** '' اس ہیضہ اور اسہال سے اصل مرض کا مادہ خارج ہوگیا، اور مکمل صحت ہوگئی، کچھ دنوں کے بعد قوت بھی آ گئی، لیکن کافی مدت تک وطن میں قیام کرنے کے بعد خدام کی درخواست پر پورب کے نواح کا سفر اختیار فرمایا، اور اس میں مرض کے اثرات سے پورا پرہیز اور احتیاط نہ ہوسکی، اور دوسرے سال پھر اس نے عود کیا، اگر چہ اس اعادہ میں بہت سی مناسب تدابیر عمل میں لائی گئیں، اور سیکڑوں روپیہ خرچ ہوا لیکن مرض باوجود اس کے کہ اس کا بڑا حصہ زائل ہو چکا تھا، لیکن مادہ زائل نہ ہوا اور صحت نہ ہوسکی، یہاں تک کہ یک شنبہ ۲۸؍ جمادی الاول ۱۲۸۹ھ سے غذا بالکل ترک ہوگئی، اور دوا کا استعمال بھی چھوٹ گیا، دونوں سے بے رغبتی پیدا ہوگئی، اسی روز سے مرض کی زیادتی کے باوجود سلطان الذکر جاری ہوگیا، یہاں تک کہ لطائف ستہ میں سے ہر عضو حرکت میں آ گیا، اور جابجا جسم شریف میں عضو معلوم ہوتا تھا کہ اڑ رہے ہیں، قلب کی حرکت سب سے زیادہ تھی، اور اسی وجہ سے تمام اعضا میں شدت سے درد پیدا ہوگیا، اگر چہ یہ حالت دو تین روز رہی لیکن انتقال کا وقت جتنا قریب آتا گیا حرکت اور درد بڑھتا گیا، یہاں تک سہ شنبہ ۳۰؍ جمادی الاول کو ان باتوں میں انتہا درجہ کی زیادتی اور شدت پیدا ہوگئی، دل کی جگہ دونوں ہاتھوں سے تھامے بغیر چارہ نہ تھا، لیکن مضبوط تھامنے کے باوجود حرکت کی تیزی اور قوت کی وجہ سے پھسل پھسل جاتا تھا، مریدین کو اس روز عجیب کیفیت حاصل ہورہی تھی، اس روز صبح سے حضرت کی توجہ بڑی قوت کے ساتھ ان لوگوں پر تھی، اور ہر شخص اپنے درجہ کے مطابق اس سے حظ لے رہا تھا، انتقال کے روز قبلہ سے آپ کا رخ ہٹنے نہ پایا تھا، اگر چہ وہ بہی خواہ جو باطن سے بے خبر تھے، درد کے کم ہوجانے کے خیال سے مشرق کی طرف

آرام فرمانے کو عرض کرتے تھے مگر آپ قبلہ سے رخ نہ ہٹاتے تھے، نماز اشراق کے بعد جو شخص بھی عیادت کے لئے آیا اس کو آپ نے اللہ و رسول کے اتباع کی وصیت فرمائی۔

سب سے پہلے آپ نے اپنے بھتیجے مولوی سید احمد حسن کو اللہ و رسول کی اتباع کی تاکید فرمائیں، اور فرمایا کہ تم کو خدا کے سپرد کیا، پھر خواجہ محمد فیض اللہ صاحب سے جو آپ کے سب سے بڑے خلیفہ تھے، فرمایا کہ تم معمول کے مطابق اول وقت اذان دینا، اور نوافل و اوراد پر مداومت رکھنا، اور جو ذکر و شغل تم نے سیکھا ہے، اس میں ذاکر و شاغل رہنا، اور دوسروں کو ان کے سکھانے میں کوتاہی نہ کرنا تم کو میں پہچانتا ہوں، دوسرا تمہاری قدر نہیں جان سکتا ،علماء ظاہر تو بہت ہیں، اہل باطن کا دستیاب ہونا مشکل ہے، اسی طرح ہر ایک کو اس کی لیاقت کے مطابق وصیت فرمائیں، اور اپنا ہاتھ اپنے خادم خاص اللہ یار خاں پر رکھ کر فرمایا کہ تم نے حق خدمت ادا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، میری اولاد بھی اگر خدمت کرتی تو اس سے زیادہ نہ کرتی، میں تم سے بہت خوش ہوں، تم خیر و فلاح کی امید رکھو۔ لوگ ان وصیتوں کو سن کر اور یہ حالت دیکھ کر رونے لگے، حضرت نے ان کو تسلی دی اور فرمایا: پریشان خاطر مت ہو، اللہ سے امید منقطع نہ کرو، چونکہ پہلے سے وصیت کر دینا مستحب ہے اس لئے یہ چند کلمے میں نے کہے، ورنہ میری طبیعت اچھی ہے، اگر کوئی مزاج پرسی کرتا (تو باوجود سکرات موت کے) استغفار و کلمہ و دعا کے سوا کوئی لفظ زبان پر نہ آتا، اس وقت یہ الفاظ بھی زبان مبارک پر آتے "شکر ہے، احسان ہے، عنایت، یا اللہ خیر" اس وقت جو شخص عیادت کے لئے آتا اس سے مصافحہ فرماتے اور اس کا حال اور کیفیت مزاج اچھی طرح دریافت فرماتے، اور اسی طرح رخصت کرتے، اشراق کے بعد بار بار ظہر کو دریافت کرتے اور صبح سے قبض روح تک ارشاد و ہدایت میں مشغول تھے، حاضرین کو نصیحت فرماتے اور جو بیعت کا ارادہ رکھتا اس سے بیعت لیتے، چنانچہ چالیس آدمی کئی دفعہ کر کے اس روز بیعت ہوئے، جو شخص کسی مرض باطنی میں مبتلا تھا اس کو اس کے ازالہ کی نصیحتیں فرماتے، اور باوجود شدت مرض ،ضعف اور سکرات موت کے دونوں طریقوں کے مطابق بیعت کرتے ،یعنی ایک شاہ عبدالعزیز صاحب کے بیعت لینے کا طریقہ کہ اس میں بہت سے الفاظ ہیں، دوسرے سید احمد شہید قدس سرہ کا طریقہ جس میں اختصار ہے۔ بعض مخلصین نے آپ کے ضعف کو دیکھ کر عرض کیا کہ اس وقت مختصر طریقہ پر بیعت لیں، فرمایا: ان شاء اللہ دونوں طریقوں پر لوں گا، چنانچہ سید وجیہ الدین وغیرہ سے اسی طریقہ پر بیعت لی اس کے بعد طریقۂ دوم پر اقتصار فرمایا، لوگوں نے صاحبزادوں سید خلیل الرحمان اور سید عبداللہ اور دوسرے عزیزوں کے بچوں کو پیش کیا، حضرت نے فرمایا کہ بیعت کی تین قسمیں ہیں، بیعت توبہ، بیعت ارشاد، اور بیعت تبرک، بچوں کے حق میں بیعت تبرک ہے اور دوسروں کے حق میں بیعت توبہ اور بیعت ارشاد ہے، حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بچہ کو سرور کائنات کی خدمت میں پیش کیا گیا، آں حضرت نے اس سے بیعت نہیں لی، دست مبارک اس کے سر پر پھیرا اور دعائے برکت فرمائی، دوسری بار ایک آٹھ سال کے لڑکے کو پیش کیا گیا، آں حضرتؐ نے اس سے بیعت لی جیسے کہ "القول الجمیل" میں مذکور ہے، اگر کسی کو شک ہو، دیکھ لے۔ ایک مرید نے عرض کیا کہ جناب کے فرمانے میں کسی کو شک ہوسکتا ہے، فرمایا نہیں اگر کسی کو شک ہو، دیکھ

لے، اس کے بعد لڑکوں سے بیعت لی۔

عم محترم سید عبدالوہاب مرحوم نے بڑے صاحبزادے سید خلیل الرحمان کو خلافت عطا فرمانے کے لئے عرض کیا، حضرت نے ان کی کم عمری کو دیکھتے ہوئے انکار فرمایا، اور کہا کہ میں نے اپنے بزرگوں سے جو کچھ پایا ہے، وہ سید خلیل الرحمان، سید عبداللہ اور سید مقتدی (جو آپ کے بڑے بھتیجے تھے) کو دیا، باقی جو صالح اور لائق ہوگا، اس کو ان امور کی اجازت ہے۔

المختصر ظہر سے دو گھنٹے پہلے نفی و اثبات کی ضربیں بلند آواز سے اور پورے اطمینان کے ساتھ پیدا ہوگئیں، ظہر کی اذان کے قریب مولوی احمد حسن کو یاد فرمایا اور حاضر رہنے کی ہدایت کی، ظہر کا وقت ہوجانے کے بعد چار رکعت فرض سورہ کوثر و اخلاص سے اللہ یار خان خادم کی گود میں تکیہ کے سہارے پورے اطمینان کے ساتھ ادا فرمائی، سر مبارک کچھ دیر تک اللہ یار خان کی گود میں رہا، باوجود اس کے کہ حاضرین نے دو تین مرتبہ خان موصوف سے کہا کہ نماز پڑھ آؤ، دوسرا آدمی بیٹھ جائے گا لیکن حضرت اس بارے میں خاموش رہے، جس وقت مولوی احمد حسن نے نماز کی اجازت چاہی، فرمایا جلد آنا، جب وہ واپس آ گئے تو اللہ یار خان سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ جب آدمی مر جائے تو اس کے دونوں ہاتھ اس کے پہلوؤں میں سیدھے رکھ دینے چاہئیں، اس کی آنکھ بند کر دینی چاہئیں اور اس کے پاؤں کو بستر پر سیدھا کر دینا چاہئے، اور پاؤں کے انگوٹھوں کو باندھ دینا چاہئے، ڈاڑھی کو کپڑے کے ٹکڑے سے باندھ دینا چاہئے، اس تقریر سے عموی مولوی سید عبدالوہاب صاحب نے کہا کہ (جو حضرت کے بڑے نسبتی بھائی تھے) آپ ایسی گفتگو کیوں فرماتے ہیں؟ لوگ اور پریشان اور مغموم ہوتے، فرمایا: میں مسئلہ بیان کر رہا ہوں، اسی اثنا میں دو عورتوں نے بیعت کی درخواست کی، آپ نے اس کو عصر پر ملتوی رکھا، پھر فرمایا کہ جلد ہاتھ میں ہاتھ دو، پھر چند کلمات نصیحت آمیز، نماز و روزہ کی پابندی، لڑائی جھگڑے سے بچنے اور شرک و بدعات کے چھوڑنے کی تاکیدیں فرمائیں، اور فرمایا کہ مہلت زیادہ نہیں، پھر اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے گھر میں رسوم و بدعات جیسے سہ ماہی، چہلم وغیرہ کچھ نہیں ہوتی، رسول مقبول کی پیروی ضرور پیش نظر رہنی چاہئے، اسی اثنا میں برادرم سید محمد ایوب نے پھر اللہ یار خان کو نماز کی یاد دہانی کرائی، حضرت نے فرمایا کہ معاملہ درست ہوگیا، پھر محمد مصطفی خان، حاجی نعمت اللہ (جو آپ کے مریدین میں سے ہیں) کا نام لے کر فرمایا کہ ان کو اور دوسرے برادران دینی کو علی العموم سلام علیک کہنا، پھر اللہ یار خان کی گود چھوڑ دی، پاؤں پھیلا دیئے، بدن بستر پر رکھ دیا، اور فرمایا کہ دروازہ کھول دو، لوگوں کو باہر کر دو، اب کوئی مجھ سے مخاطب نہ ہو، کہ اس وقت میں اللہ کے ساتھ مواجہہ میں ہوں، پھر لب مبارک کو جنبش ہوئی اور روح مقدس بکمال بے تعلقی شاداں و فرحاں اوج فردوس کی طرف پرواز کر گئی، اور مضمون کلام '' **الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب** '' ظاہر ہوا۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون۔**

(کاروان ایمان وعزیمت: ص: ۱۵۵ر تا ۱۶۰)

اڑتالیس سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی، تاریخ وفات ۳۰ر جمادی الاولیٰ ۱۲۷۹ھ۔

....

مقالات و مضامین: **آخری قسط:**

''متاعِ وقت اور کاروانِ علم''

ایک مطالعہ

محمد عرفات اعجاز اعظمی

آٹھویں مضمون کا عنوان ہے 'مسلمان مصنّفین کے عظیم تصنیفی کارناموں کا راز'۔اس راز کو مولانا عباسی نے وقت کی قدر دانی میں تلاش کیا ہے۔آج کے دور کے مقابلے میں گذشتہ ادوار میں لکھنے لکھانے اور چھپنے چھپانے کی سہولت اور ضروریاتِ زندگی کا جو فقدان تھا،اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے،ہر ذی شعور اسے بہ خوبی سمجھ سکتا ہے مگر اس کے باوجود گذشتہ زمانے کے مسلمان مصنّفین نے تصنیفی میدان میں جو کارہائے عظیم انجام دیے ہیں،اُس کا اِس زمانے میں تصور بھی ذہن کو تھکا دینے والا ہے۔اس میں جہاں حصول وشیوع علم کے بے کراں جذبے اور بے پناہ محنت اور عزم وحوصلے کا دخل ہے،وہیں اس اہتمام کا بھی بنیادی کردار ہے کہ ان کی زندگیاں نظام الاوقات کی پابند تھیں،وقت کی قدر ایسی تھی کہ ایک ایک سانس کی قیمت وہ وصول کر لینا چاہتے تھے۔اور یہی چیز ان کے عظیم تصنیفی کارناموں کا راز ہے۔

نواں مضمون 'اے وائے تن آسانی!......' ہے۔اس مضمون میں آج کے دور کی سہل انگاریوں اور تن آسانیوں کا نوحہ ہے اور اس بات کا شکوہ ہے کہ:''حصولِ علم کی وہ تڑپ جو ٹھٹھری ہوئی سردی اور کڑکڑاتی دھوپ و گرمی میں ریگستانوں اور تپتے ہوئے صحراؤں کے میل ہا میل کا سفر طالب علم کو کراتی،اب ایسی داستانیں اسلامی تاریخ کے صرف اوراق ہی کی زینت ہیں۔''[ص:۹۴]

اس شکایت کے دوش بہ دوش بعض اسلاف کی علمی جستجو اور تشنگی کے واقعات کو بیان کیا گیا ہے کہ کیسے حصول علم کی اتھاہ لگن کی وجہ سے ان کی رات کی نیندیں ان کی آنکھوں پر بار بن جایا کرتی تھیں،تاکہ نئے زمانے کے شاہین بچوں کی پرواز کو مہمیز ہو سکے اور وہ ادراک کر سکیں کہ وہ کس گردوں کے ٹوٹے ہوئے تارے ہیں اور یہ کہ اس جہاں میں ان کا کام چٹانوں پر بسیرا کرنا نہیں بلکہ وسعت افلاک میں مسلسل پرواز کرنا ہے۔

وقت کی اہمیت اور قدر و قیمت کو اجاگر کرنے کے بعد ان شخصیات کا تذکرہ شروع ہوتا ہے جنھوں نے اپنی زندگی کی ایک ایک سانس کو کارآمد بنانے کی سعی کی ہے۔یہ باب 'کاروانِ علم' کے نام سے موسوم ہے۔اس باب میں کل اکیاون[۵۱] اہل علم وکمال کا تذکرہ ہے۔باب کی ابتدا سالارِ کاروانِ علم،سرخیلِ اصحابِ کمال امیر المومنین فی

الحدیث سیدنا محمد بن اسماعیل بخاری سے ہوتی ہے۔ امام بخاری کا تذکرہ خاصا طویل یعنی ۳۲ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ امام بخاری کے ساتھ ان کے متعلقات کا بھی تفصیلی تذکرہ ہے، مثلاً ان کے وطن بخارا کے بارے میں تفصیلی معلومات دی گئی ہے۔ حاشیہ میں دائرہ معارف اسلامیہ اردو [ج:۴،ص:۱۱۰] کے حوالے سے بخارا کی وجہ تسمیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

''باوجود لسانی مشکلات کے سنسکرت لفظ ''دھارا'' (خانقاہ) سے اس لفظ (بخارا) کا اشتقاق غیر اغلب نہیں کیوں کہ شہر نومج کث کے قریب میں ایک ''دھارا'' موجود تھا اور بظاہر یہی شہر بخارا کا پیش رو تھا جو آگے چل کر اس میں مدغم ہو گیا۔'' [ص:۱۰۲]

'دھارا' یقیناً سنسکرت کا لفظ ہے مگر قوسین میں اس کا جو معنی لکھا گیا ہے، وہ درست نہیں ہے۔ دھارا کے معنی ہیں بہاؤ، رو، چشمہ، سوتا، سلسلہ، قطار، سلسلۂ کوہ، پہاڑ کی چوٹی وغیرہ۔ خانقاہ کے معنی میں سنسکرت کا لفظ 'وِہار' آتا ہے جس کی بگڑی ہوئی شکل ہندستان کا مشہور صوبہ بہار ہے۔ وِہار سے دھارا کی تحریف شاید کاتب صاحب کی کرم فرمائی کا نتیجہ ہو، مگر وہار سے بخارا کا اشتقاق غیر اغلب اور بے جوڑ محسوس ہوتا ہے۔

امام بخاری کا حافظہ محیر العقول تھا، وہ ایک مرتبہ بصرہ پہنچے تو لوگوں نے حدیث سننے کا اشتیاق ظاہر کیا، انھوں نے املا شروع کرانے سے پہلے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا:

''میں ایک نوعمر انسان ہوں، آپ لوگوں نے مجھ سے املاء حدیث کا مطالبہ کیا ہے تو اب مناسب یہ ہے کہ میں تمھیں ایسی حدیث سناؤں جو تمہارے پاس پہلے سے نہ ہو، تاکہ آپ سب مستفید ہو سکیں۔'' [ص:۱۱۱]

یہ نقل مطابق اصل ہے۔ اس میں بات ''آپ'' سے شروع ہو کر ''تمھیں اور تمھارے'' کا سفر طے کرتی ہوئی ''آپ'' پر ختم ہوئی ہے۔ وجدان کسی بھی اعتبار سے یہ قبول کرنے کو تیار نہیں ہے کہ یہ مولانا عباسی صاحب کی عبارت ہوگی، کیوں کہ زبان کے معاملے میں ان سے اتنی فحش غلطی کا امکان نہیں ہے، مگر جس نے بھی یہ تحریف کی ہے اس نے اردو کے ساتھ ساتھ مولانا پر بھی ظلم عظیم کیا ہے۔ سر دست میرے پاس کتاب کا کوئی دوسرا ایڈیشن نہیں ہے، ورنہ اس سے مراجعت کر کے کسی نتیجے تک پہنچا جا سکتا تھا۔

امام بخاری کے سلسلے میں مشہور روایت ہے کہ انھوں نے بکری کے دودھ سے حرمتِ رضاعت کے ثبوت کا فتوا دیا تھا، جس کی وجہ سے انھیں خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مولانا عباسی نے کئی کتابوں کے نام مع مصنف شمار کرائے ہیں جن میں اس فتوے کا ذکر ہے۔ مولانا نے لکھا ہے:

''یہ واقعہ اگر چہ کئی کتابوں میں ہے، چناں چہ صاحب فوائد بہیہ نے احمد بن حفص الکبیر کے ترجمہ میں، شارح ہدایہ صاحب عنایہ نے کتاب الرضاعۃ میں، جواہر مضیئہ کے مصنف نے ابوحفص کے تذکرہ میں، محمد بن الحسن المالکی نے ''الخمیس'' میں، علامہ ابن حجر مکی نے ''خیرات الحسان'' میں، علامہ سرخسی نے ''مبسوط'' میں ان کے حوالے سے مولانا عبدالرشید نعمانی مدظلہ نے ''دراسات اللبیب'' کے حاشیہ میں اور استاذ محترم مولانا محمد تقی عثمانی

مدظلہم نے تکملہ فتح الملہم، کتاب الرضاعۃ میں اس کا ذکر کیا ہے۔''[ص:۱۲۷]

پھر امام بخاری کی جلالتِ علم و امامتِ حدیث کے پیش نظر ان کا دفاع کرتے ہوئے لکھا ہے:

''لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری کی طرف اس فتوی کی نسبت مشکوک ہے اور اس کی صداقت غیر یقینی ہے، ایک معمولی دین کی سمجھ رکھنے والا انسان بھی ایسی حماقت نہیں کرسکتا چہ جائیکہ وہ امام بخاری جن کے بارے میں نعیم بن حماد کہتے ہیں......................''[ص:۱۲۷]

اس کے بعد مولانا عباسی نے امام بخاری کی جلالت و امامتِ علم کے اعتراف میں مختلف اہل علم کے اقوال نقل کیے ہیں، مگر امام بخاری کی جانب فتوے کی نسبت مشکوک ہونے اور اس کی صداقت کے غیر یقینی ہونے پر ایک بھی دلیل، شاہد یا قرینہ نقل نہیں کیا ہے۔ استدلال کے اس طریقے کو جذباتی استدلال کا نام تو دیا جاسکتا ہے، مگر اسے علمی استدلال کے زمرے میں نہیں رکھا جاسکتا۔ اخیر میں علامہ لکھنوی کی کتاب فوائد بہیہ سے ایک عبارت اپنی بات کی تقویت کے لیے نقل کی ہے، مگر وہ اس معنی کر مفیدِ مطلب نہیں ہے کہ اس میں بھی جلالتِ شان اور عمقِ فکر وغیرہ کا حوالہ دے کر تردید کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

امام بخاری کی رفعتِ شان میں اقوال نقل کرنے میں جو محنت کی گئی ہے اگر وہی مشقت درست رخ پر اٹھائی گئی ہوتی اور کمزور سے کمزور کوئی ایسی دلیل ذکر کردی جاتی جس سے اس نسبت کا مشکوک ہونا اور اس کی صداقت کا مشتبہ ہونا ثابت ہوتا تو یہ بات علمی رویے کے زیادہ مناسب ہوتی اور بات میں وزن بھی پیدا ہوجاتا، مگر بصورت موجودہ جن کتب و اشخاص کے نام انھوں نے فتوے کے ثبوت کے ضمن میں شمار کرائے ہیں، وہ ان کے دفاع کے مقابلے میں زیادہ وزنی اور قوی ہیں۔

کتاب کے پہلے باب کا عنوان چوں کہ 'متاعِ وقت' ہے، اس لیے فطری طور پر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ دوسرے باب 'کاروانِ علم' میں اصحابِ علم و کمال کے تذکرے میں خاص طور سے ان کی وقت کی قدردانی کو ملحوظ رکھا جائے گا اور ہر تذکرہ اسی محور کے اردگرد گردش کرے گا، مگر بیشتر تذکروں میں اس کا خیال نہیں رکھا گیا ہے۔ امام بخاری کا طویل تذکرہ ہے مگر براہ راست ان کی وقت کی قدردانی کے تذکرے یا اشارے سے پورا تذکرہ خالی ہے۔ محض چند تذکرے ہی ایسے ہیں جن میں خصوصیت کے ساتھ اس کا لحاظ کیا گیا ہے۔ صاحبِ علم و کمال بننے کا راستہ وقت کی قدر شناسی ہی کی شاہ راہ سے گذرتا ہے مگر وقت کے تئیں ان کے خیالات و جذبات اور اس کے طریقۂ استعمال کا بھی خاص طور سے ذکر ہوجاتا تو کتاب کی ترتیب و تہذیب کا حسن مزید دو چند ہوجاتا۔

'کاروانِ علم' میں کل اکیاون اصحابِ علم کے تذکرے ہیں، جن میں غالب تعداد متقدمین اہل علم کی ہے، متاخرین [دسویں صدی ہجری کے بعد کے لوگوں] میں سے چودہ اساطین علم کا ذکر ہے جن کے نام بالترتیب یہ ہیں: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی، مولانا خلیل احمد سہارن

پوری، علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا اعزاز علی امروہوی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ادریس کاندھلوی، مفتی محمد شفیع عثمانی، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا محمد زکریا کاندھلوی، مولانا سلیم اللہ خان صاحب اور مولانا محمد تقی عثمانی۔

ان سارے تذکروں میں کچھ چند سطری ہیں، کچھ ایک دو صفحاتی ہیں، زیادہ تر تین چار صفحات پر مشتمل ہیں اور کچھ اس سے زیادہ طویل ہیں۔ طویل تذکروں میں امام بخاری، علامہ ابن جوزی، علامہ ابن تیمیہ، علامہ انور شاہ کشمیری، مفتی محمد شفیع عثمانی اور مولانا محمد زکریا کاندھلوی کے تذکرے بڑے دل چسپ اور معلومات افزا ہیں، مگر مولانا ابوالکلام آزاد کا تذکرہ بے جا طوالت کا شاہ کار ہے۔ اس تذکرے میں مولانا عباسی نے خود کم لکھا ہے اور مولانا آزاد کی کتابوں سے کثرت سے اقتباس نقل کیا ہے۔ گویا کہا جاسکتا ہے کہ یہ تذکرہ خود مولانا آزاد کے قلم سے ہے۔

مجموعی اعتبار سے کتاب اپنے مقصد میں کامیاب، پرکشش اور دل چسپ ہے۔ مکمل کتاب کے مطالعے کے بعد مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کی رائے سے اتفاق کرنے کو جی چاہتا ہے کہ 'اس کتاب نے وقت لیا کم، دیا زیادہ ہے۔'

کتاب کے موضوع کی دل کشی و رعنائی اپنی جگہ، اس کے ساتھ مولانا عباسی کے منفرد انداز تحریر نے اس میں سحر کی سی کیفیت پیدا کردی ہے۔ اب یہ ا بات ہے کہ اس جادوئی کیفیت کا دماغ پر کیسا اثر پڑتا ہے۔ مولانا عباسی کا طرزِ نگارش دیکھ کر مولانا آزاد کے اسلوبِ تحریر کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ وہی بھاری بھرکم لفظوں کا تسلسل، اضافتوں کا طویل سلسلہ، طویل و پُر پیچ جملے اور کڈھب و نامانوس ترکیبیں جن پر آمد سے زیادہ آورد کا اشتباہ ہو۔ بعض مقامات پر مولانا عباسی نے عرضِ مدعا کے لیے ایسے الفاظ وتراکیب کا استعمال کیا ہے کہ دورانِ مطالعہ نگاہ و دماغ دونوں کی ورزش ہوجاتی ہے۔ چوں کہ ہندستان کے مدارس میں عموماً ابوالکلامی زبان ادب و انشا کی معراج سمجھی جاتی ہے، اس لیے علما وطلبہ کے مابین اس کتاب کی مقبولیت کا ایک بڑا سبب اس کا اسلوبِ نگارش بھی ہے۔ بہرکیف! اس کتاب کا حق یہ ہے کہ اس کا مطالعہ کیا جائے اور اس کے مشمولات کی روشنی میں خود احتسابی کی جائے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ مطالعے کے لیے ہمارے پیش نظر جونسخہ ہے وہ فیصل پبلی کیشنز دیوبند سے طبع ہوا ہے، اس کا سن اشاعت ۲۰۱۱ء ہے، تفصیلات کے صفحے پر ایڈیشن کی صراحت نہیں ہے، مگر دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب کا طبع سوم ہے۔ کتاب کی ابتدا طبع سوم کے دیباچے سے ہوتی ہے، اس کے بعد کتاب کے سلسلے میں سات اہل علم کی آرا نقل کی گئی ہیں، پھر مقدمہ و پیش لفظ ہے۔ **بقیہ صفحہ:۲۶ / پر**

مقالات و مضامین: **آخری قسط:**

انسانی اعضاء کی پیوندکاری کا شرعی حکم

مولانا نسیم ظفر بلیاوی قاسمی

مزید برآں فریق اول یعنی جواز کے قائلین نے علامہ سمرقندی کے جس اصول سے استدلال کیا ہے، اس میں کسی عضو کی منتقلی کا مسئلہ ہے ہی نہیں، وہ تو ماں کے پیٹ میں موجود بچے کو محض آپریشن کر کے نکال لینا ہے اور اس میں واقعتاً کوئی اہانت نہیں ہے، برخلاف مردہ اور زندہ انسان کے جسم سے کسی عضو کو نکال لینا شرعاً وعقلاً کرامتِ انسانی کے مقتضی کے خلاف ہے۔

اس لیے احوط یہی ہے کہ موقف ثانی یعنی عدم جواز کے قائلین کے موقف ومسلک کو قابل قبول اور تسلیم کیا جائے اور انسانی اعضاء کی پیوندکاری کو ممنوع وحرام قرار دیا جائے اور بھلا یہ کیسی دانشمندی ہوگی کہ ایک انسان کی صحت یابی کے لیے دوسرے کی صحت سے کھیلا جائے اور مستقبل میں اس کو بیماری کا لقمہ بنا دیا جائے۔ نیز ہمارے بہت سے اکابر مفتیانِ کرام انسانی اعضاء کی پیوندکاری کو اس کے ہزارتر فوائد کے باوجود ناجائز لکھ چکے ہیں اور آج بھی لکھ رہے ہیں اور یہی رائے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا یوسف بنوری صاحب، مفتی محمود صاحب گنگوہی اور مولانا عاشق الٰہی بلندشہری رحمہم اللہ کی ہیں؛ نیز برصغیر کے اکثر علماء بالخصوص دارالعلوم دیوبند کے اربابِ افتاء بھی عدمِ جواز کے ہی قائل ہیں۔

انسانی اعضاء کو ہبہ و وصیت کرنا:

اسی طرح ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنا کوئی عضو اپنی زندگی میں ہبہ و وصیت کر سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کے جواب میں پہلی بات یہ ہے کہ ہم از روئے شرح اصطلاحی طور پر اس کو وصیت ہی نہیں کہہ سکتے اور اگر کوئی وصیت کرتا ہے، تو بھی اس شخص کی وصیت شریعت کی نگاہ میں غیر قابل اعتبار اور خلاف شرع ہوگی، کیوں کہ وصیت کے لیے ضروری ہے کہ اس پر اپنی ملکیت ہو اور دراصل جسم کے اعضاء واجزاء یہ خدائے وحدہ لاشریک لہ کی امانت ہے اور اللہ نے اعضاء وجوارح میں سے کسی چیز کا انسان کو مالک نہیں بنایا ہے اور اسی طرح اس میں کسی بھی طرح کے تصرف وتبدل کی بھی اس کو اجازت نہیں دی ہے، یعنی انسان اپنے جسم میں کوئی ایسا تصرف نہیں کر سکتا، جس کی شریعت نے اسے اجازت نہ دی ہو، انسان کو اپنے اعضاء میں حقِ منفعت تو حاصل ہے، مگر حق ملکیت حاصل نہیں ہے، اور جس کو

حق ملکیت حاصل نہیں وہ اپنے جسم کے کسی حصے کا عطیہ اور وصیت کرنا چاہے تو بھی نہیں کرسکتا، کیوں کہ اپنے اعضاء کو کاٹنے یا دوسرے کو عطیہ کرنے کا اختیار نہ تو خود اس کو ہے اور نہ ہی دوسرا کوئی شخص اس کی اجازت دے سکتا ہے، کیوں کہ اللہ تبارک وتعالی نے ہر انسان کے عضو کی تخلیق میں کوئی نہ کوئی مصلحت رکھی ہے۔

چناں چہ ارشاد باری تعالی ہے: **الذی خلقک فسو اک فعدلک فی ای صور ۃ ماشاء ر کبک** .(الانفطار:۷-۸) لہٰذا اب ظاہر ہے کہ کسی بھی عضو کا اگر عطیہ کیا جائے یا وصیت کی جائے، تو یہ اللہ کے بیان کردہ مصلحت کے خلاف ہوگا، اور اللہ نے آدم کو مکرم ومحترم اور اعضاء کی قطع وبرید کو حرام اور سنگین جرم ہی اس لیے قرار دیا ہے کہ تاکہ کوئی انسانی اعضاء واجزاء کے استعمال کی جسارت نہ کرے۔ چناں چہ اس سلسلے میں مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ تحریر فرماتے ہیں:

"انسان کے اعضاء واجزاء انسان کی اپنی ملکیت نہیں ہیں، جن میں وہ مالکانہ تصرفات کرسکے، اسی لیے ایک انسان اپنی جان یا اپنے اعضاء وجوارح کو نہ بیچ سکتا ہے نہ کسی کو ہدیہ اور ہبہ کے طور پر دے سکتا ہے اور نہ ان چیزوں کو اپنے اختیار سے ہلاک وضائع کرسکتا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کے اصول میں تو خود کشی کرنا اور اپنی جان یا اعضاء رضا کارانہ طور پر یا بہ قیمت کسی کو دے دینا قطعی طور حرام ہی ہے، جس پر قرآن وسنت کی نصوصِ صریحہ موجود ہیں، تقریباً دنیا کے ہر مذہب وملت اور عام حکومتوں کے قوانین میں اس کی گنجائش نہیں، اس لیے کسی زندہ انسان کا کوئی عضو کاٹ کر دوسرے انسان میں لگا دینا اس کی رضامندی سے بھی جائز نہیں ہے۔ (انسانی اعضاء کی پیوند کاری: ۳۶، مصدقہ مجلسِ تحقیقِ مسائلِ حاضرہ)

حاصلِ بحث:

اعضا کی پیوند کاری کے سلسلے میں دونوں فریق کے مختلف دلائل ہیں، جس پر تفصیلی کلام ہو چکا ہے، البتہ یہاں یہ بات قابل ذکر وبیان ہے کہ یہ مسئلہ منصوص نہیں ہے، بلکہ مجتہد فیہ ہے، اسی لیے اعضاء کی پیوند کاری کے سلسلے میں جس طرح جواز کے قائلین ہیں، اسی طرح عدمِ جواز کے بھی قائلین ہیں، لہٰذا دونوں فریق کے دلائل اور اس سے رونما ہونے والے منکرات ومضرات اور منافع کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی انسان کی جان بچانے کے لیے شرعی حدود کے دائرے میں رہتے ہوئے آخری حد تک کوشش کی جائے گی، لیکن ساتھ میں یہ مسئلہ بھی پیش نظر رہے کہ کوئی مسلمان اس بات کا پابند اور مکلف نہیں ہے کہ وہ دوسرے کی جان بچانے کی خاطر کسی امرِ ممنوع کا ارتکاب کرے اور اپنے اعضاء کی قطع وبرید فرما کر دوسرے کو عطیہ کرے اور نہ ہی اُس چیز کی ہبہ ووصیت کرے، جس پر خود کا کوئی قبضہ اور تملق نہ نہیں ہے، اور اگر خدانخواستہ اعضاء کی پیوند کاری کی اجازت دے دی گئی، تو یاد رکھنا چاہیے کہ آنے والے دنوں میں انسانی لاشوں کے ساتھ بڑا ناجائز وناروا اور غیر مناسب سلوک ہوگا اور بازاروں، چوراہوں اور بڑی بڑی کمپنیوں میں حیوانات ونباتات اور بھیڑ بکریوں کی طرح انسان کے اعضاء وجوارح کی خرید و

فروخت کا ایک کاروبار شروع ہو جائے گا، خاص طور پر غریبوں کی آنکھیں، ان کے گردے اور دیگر اعضاء ایک بکاؤ مال کی طرح بازاروں میں بکنے شروع ہو جائیں گے۔

اخیر میں یہ بات ذہن نشیں رہنی چاہیے کہ کسی بھی چیز کو مفید اور نافع اس وقت تک نہیں کہا جائے گا، جب تک اس کے پیچھے بڑا نقصان اور شخصی و قومی مضرت کارفرما نہ ہو، ورنہ مطلقاً فائدے سے دنیا کا کوئی جرم خالی نہیں ہے، اس لیے اعضاء کی منتقلی کے مضرات اور مہلک نتائج و اثرات سے صرف نظر کر کے صرف ظاہری فوائد کی بنیاد پر اعضاء کی پیوندکاری کا حکم نافذ نہیں کیا جا سکتا، مہلک و مضر نتائج بھی نظروں کے سامنے ہونے چاہیے، ورنہ غفلت کی صورت میں پورا سماج و معاشرہ، تباہی اور خسارے میں مبتلا ہو سکتا ہے۔

ھذا ما عندی و اللہ اعلم بالصواب۔

....

(**بقیہ صفحہ: ۲۳ / کا**) کتاب پر اہل علم کے جو تبصرے ہیں، ان کی صحیح جگہ کتاب کے اخیر کے صفحات ہیں، نہ کہ مقدمہ و پیش لفظ سے پہلے۔ نہ معلوم یہ ترتیب ناشر کی ذہنی اپج ہے یا خود مصنف نے اسے پسند کیا ہے؟ بہر حال! جو بھی ہو، اس ترتیب سے کچھ اچھا تاثر نہیں پیدا ہوتا۔ کتاب شروع ہونے سے پہلے ہی کتاب کے بارے میں اونچے لفظوں میں تبصرہ نقل کرنا قاری کے دماغ کو ہموار، مرعوب اور جانب دار کرنے کی کوشش کرنا ہے، جسے پسندیدہ عمل نہیں کہا جا سکتا۔

دورانِ مطالعہ مذکورہ نسخے میں کتابت کی اتنی خامیاں نظر آئیں کہ خیال آنے لگا کہ شاید خامیوں کو باقی رکھنے کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ یہ خامیاں مختلف طرح کی ہیں، لفظوں کے ہیر پھیر سے لے کر تذکیر و تانیث کی تبدیلی تک۔ ناشر کتاب کا مصنف کے اوپر یہ ایک ایسا ظلم ہے جس کی تلافی ممکن نہیں۔ مولانا عباسی کے مقام و مرتبے سے ناواقف خالی الذہن شخص جب اس کتاب کا مطالعہ کرے گا تو وہ ناشر کتاب کی تساہلی اور غیر ذمہ دارانہ رویے کی وجہ سے مصنف سے بدگمان ہوگا اور ناشر کے نامۂ اعمال کی سیاہی بھی مصنف کے کھاتے میں چلی جائے گی۔ چند ایک خامیاں بطور نمونے ذکر کی جاتی ہیں:

ص:۵۸-سفر ہے حقیقت خضر [حضر] ہے مجاز۔

ص:۸۱-کئی لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ میل جول ان کی عادت بن گیا ہے [گئی ہے]۔

....

وفیات:

ہم حرف وفا خون سے تحریر کریں گے
حضرت مولانا فاروق قاسمی شہید

مفتی شرف الدین عظیم الاعظمی

اس بے ثبات عالم آب وگل میں قافلہ ہست وبود کی آمدورفت ابتدا ہی سے تسلسل کے ساتھ جاری ہے،حیات مستعار کے ان گنت چراغ مسلسل روشن ہوتے ہیں اور محدود مدت کے بعد فنا کی تاریکیوں میں گم ہوجاتے ہیں،خوش نصیب ہیں وہ چراغ جن کی لواردگرد کی دنیا کے لئے منزلوں کی رسائی کا سامان ہوتی ہے،قابل رشک ہے وہ زندگی جوفکروعمل کی شاہراہ پرعشق ووفا کے لازوال نقوش ثبت کرتی ہے اور پھر اپنے نصب العین پر نثار ہوجاتی ہے۔

حضرت مولانا محمد فاروق صاحب قاسمی کی ذات انہیں باکمال لوگوں میں شامل تھی،اورانہیں روشن کردار کا پیکر تھی جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے،اس لئے کہ ان کی پوری زندگی اسلامی تعلیمات کی نشرواشاعت اورقوم وملت کی خبر گیری ومسیحائی میں مسلسل سرگرم رہی،بالآخر اسی راہ میں ایک دشمن اسلام وانسانیت کی وحشیانہ درندگی کا شکار ہوکر اسلام کی نگاہ میں شہادت کے مرتبے سے سرفراز ہوگئے۔

یکم ذی الحجہ ۱۴۴۵ مطابق ۸/جون ۲۰۲۴ء بروز سنیچر طلوع آفتاب کے وقت مولانا مولانا مرحوم کی بستی ہی کے رہنے والے ایک بت پرست وحشی اور درندے نے انہیں اپنے گھر بلایا معمول کے مطابق مولانا تنہا ہی اس کے گھر گئے،اس حیوان نے چندسکوں کے لئے اپنے گھر کے افراد کے ساتھ پیچھے سے وار کیا اورنہایت بے دردی سے مسلسل حملے کر کے انہیں شہید کردیا،اس دردناک حادثے سے علاقے میں کہرام مچ گیا،ماحول سوگوار اور فضا مضطرب ہوکر رہ گئی،عام لوگوں میں عدم تحفظ کا یہ احساس مزید قوی تر ہوگیا کہ ریاستی سطح پر قوم مسلم کو ہراساں کرنے اور اسے جبر وبے بسی کے احساسات میں مبتلا کرنے کے لئے جو یکطرفہ اور ظالمانہ کریک ڈاؤن جاری تھا اس نے شرپسندوں کے حوصلوں میں اس قدر قوت پیدا کردی ہے کہ دینی اور قومی رہنما بھی اب ان کی درندگی اور خونریزیوں سے محفوظ نہیں ہیں،قتل کا یہ واقعہ عام فرد کا سانحہ نہیں بلکہ قومی وملی پیمانے کا حادثہ ہے اس لیے کہ مولانا مرحوم ایک جید عالم دین تھے،دینی پیشوا تھے،ملی وسماجی رہنما تھے،اور خطے کے معتبر باوقار مخلص قائد تھے،اس لئے ان کی اس دردناک شہادت پر پورا علاقہ رنج والم میں ڈوب گیا،علمی حلقوں سے لیکر عمومی فضا پر ماتمی کیفیت چھا گئی،خود راقم کا دل لرز کر رہ گیا،یہ شہادت جہاں ایک قومی حادثہ تھا وہیں ذاتی اعتبار سے میرے لیئے انتہائی دکھ بھرا سانحہ تھا اس لیے

کہ مولانا فاروق شہید کے صاحبزادے مفتی مامون رشید صاحب امام وخطیب شمس مسجد کھار گھر ممبئی دارالعلوم دیوبند میں میرے ہم درس تھے، اوران سے ہمارے تعلقات بہت خوشگوار ہیں۔

مولانا فاروق صاحب مرحوم کی زندگی عمل پیہم، جہد مسلسل اورحرکت وسرگرمی سے عبارت تھی، وہ بافیض عالم بھی تھے اور مقرر بھی، منتظم ومدبر بھی تھے اور مربی ورجال ساز بھی، باصلاحیت مدرس واستاذ بھی تھے اور دین کے بےلوث خادم اور قومی وسماجی رہبری کرنے والے دردمند قائد بھی۔

مولانا مرحوم نے دین کی رسمی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اسلام اور تعلیمات اسلام کی خدمت ہی کو نصب العین بنایا تھا، اوراپنے اس عہد پر آخری سانس تک قائم رہے، انھوں نے تدریس کے ذریعے اپنی بستی اور اس سے باہر بے شمار طالبان علوم کو فیضیاب کیا، محنت وخلوص کے ذریعے مدرسہ تعلیم الدین کے نام سے اپنی بستی سون پور میں علم کی ایک شمع روشن کی، اوراسے ترقی کی راہ پر کھڑا کیا، حالات کے تیور بدلے تو اسے خیر آباد کہہ دیا، پھر قومی ضرورت کے تحت کادی پور کے علاقے میں دوسرے ادارے کی بنیاد رکھی، اور مسلسل جدوجہد سے اسے تعلیم وتربیت کا گہوارہ بنایا، جمعیت علماء ہند کے پلیٹ فارم سے بحیثیت جنرل سکریٹری پورے ضلع اوراس کے اردگرد میں سماجی ورفاہی خدمات پیش کیں، معاشرتی مسائل کے حل کی کامیاب کوششیں کیں، عائلی معاملات میں علاقے کے علماء وارباب حل وعقد کی مجلسیں قائم کرکے تنازعات کا تصفیہ کیا، معاشی ضرورت مندوں کی کفالت کی، سیاسی معاملات میں متاثرین کی مخلصانہ رہنمائی کی اور ہر طرح سے ان کی مالی اورطبی امدادواعانت کی، ناگہانی حوادث وآفات وہ فسادات اورلاک ڈاؤن کی صورت میں ہوں یا قدرتی پوری قوت سے سائبان بن کر کھڑے رہے، یہ تمام کام بیک وقت اس ایک ہی شخص سے انجام پاتے تھے جس کا نام مولانا محمد فاروق قاسمی تھا۔

مولانا فاروق صاحب کا علمی اورسماجی حلقوں میں ایک وقار اور حیثیت تھی، وقت کے جید علماء ومشائخ کی نگاہ میں وہ قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، صوبائی سطح پر ان کی دلنواز شخصیت معروف بھی تھی اور معتبر بھی، اس کی وجہ مرحوم کی زندگی عاجزی وانکساری کا نمونہ اوراخلاص وللّٰہیت کا نمونہ تھی، ان کے دلکش پرکشش اور جمالیاتی نور سے منور ظاہری سراپا کی طرح باطن بھی بہت پاکیزہ شفاف تھا، وہ خلیق، ملنسار، فیاض، مہمان نواز، علم پرور اور علماء نواز تھے، اہل علم کی محبت سے ان کا سینہ معمور تھا، ان سے بڑے گہرے اور مضبوط روابط تھے، علماء کے علاوہ وہ طالب علموں کی بھی بہت حوصلہ افزائی اور ہر ممکن مدد کرتے تھے لہجے کی کرختگی اور ملنے والوں سے سرد مہری نیز کبر وتعلّی سے ان کی زندگی ناآشنا تھی، گفتگو میں ملائمت، لہجے میں نرمی اور ملاقات میں خندہ پیشانی وحسن سلوک ان کے کردار کے نمایاں اوصاف تھے، اسی وجہ سے عوام وخواص کی نگاہ میں ان کی شخصیت مرکز امید کی حیثیت سے جانی جاتی تھی۔

حضرت مولانا فاروق صاحب کی پیدائش ضلع پرتاپ گڈھ کی بستی سون پور میں ایک مہذب اور دیندار گھرانے میں ۱۹۵۷ء کو ہوئی، والد ماجد یونس خان صاحب ملک کی تحریک آزادی میں شریک تھے، تقسیم ہند سے

قبل سرکاری شعبے کے ماتحت اسلام آباد میں تعینات تھے پارٹیشن کے وقت انھوں نے بھارت میں قیام کو ترجیح دی اور اسلام آباد سے وطن واپس آ گئے، کیا خبر تھی کہ پڑوسی سرزمین پر بہترین مواقع کے باوجود جس ملک کو ترجیح دی وہ ان کے بیٹے کے لئے مقتل بن جائے گا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے شاگرد اور خطے کی نہایت بزرگ شخصیت مولانا محمد یار صاحبؒ کے آپ داماد تھے، اور قاضی محمد امین صاحب مولانا صغیر صاحب استاذ معہد انور دیوبند کے برادر نسبتی، مولانا مرحوم کا بھی خاندان عمومی طور اسلامی علوم کی شاہراہ پر محوسفر ہے ابتدائی مکتبی تعلیم کے بعد آپ نے حفظ قرآن کریم مدرسہ حفظ العلوم ڈروا میں مولانا عبدالقدوس اعظمی سے مکمل کیا، فارسی کی تعلیم گاگلہیڑی سہارنپور کے ایک مدرسے سے حاصل کی بعد ازاں عربی اول ودوم مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ سے پڑھ کر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور فضیلت کی تعلیم مکمل کی، رسمی علوم سے فارغ ہو کر اپنے علاقے میں ہی دینی علوم کی تبلیغ واشاعت میں سرگرم ہو گئے، اپنے گاوں سون پور میں مدرسہ تعلیم الدین کی بنا ڈالی اور اس کے ذریعے علاقے میں دینی شعور پیدا کرنے کی کامیاب کوششیں کیں کچھ عرصہ بعد بوجوہ اس ادارے سے کنارہ کشی اختیار کر کے موضع کادی پور میں جامعہ عبداللہ ابن مسعود کے نام سے علم کا چراغ روشن کیا، اور دم آخر تک اس ادارے کی تعمیر وترقی میں منہمک رہے۔

مولانا محمد فاروق صاحبؒ سلوک ومعرفت کی راہ کے بھی بامراد مسافر تھے، قدوۃ الاولیاء حضرت مولانا احمد پرتاپ گڑھیؒ سے نیازمندانہ تعلقات تھے، ان کی رحلت کے بعد باضابطہ پیر طریقت مولانا قمر الزماں الہ آبادی کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے اور اسی آستانے سے آپ کو خلعت خلافت بھی حاصل تھی، چنانچہ معرفت کی راہ سے بھی مولانا فاروق صاحب کا روحانی فیض جاری تھا، مولانا فاروق صاحب نے عوامی اصلاح کے ساتھ اپنے فرزندوں کی خاص تربیت کا خیال رکھا، انہیں دینی ماحول فراہم کیا، علوم دینیہ سے آراستہ کیا، ان کے تین صاحبزادے ہیں اور تینوں صحتمند تربیت کے نتیجے میں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں مفتی مامون رشید صاحب مولانا محمد ارشد صاحب اور مولانا محمد اسعد صاحب، تینوں دین کی خدمت میں مصروف ہیں، مفتی مامون الرشید صاحب شمس مسجد کھارگھر ممبئی میں امام ہیں، اور بقیہ دو حضرات والد مرحوم کے مشن کے دست وبازو۔

اس سرائے فانی سے ہر فرد کو جانا ہے مولانا بھی چلے گئے مگر اس طرح کہ ان کے سر پر شہادت کا انمول تاج تھا، اور جلو میں متنوع خدمات کی جگمگاتی ہوئی کرنیں، ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں نماز جنازہ ادا ہوئی دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم حضرت مفتی محمد راشد صاحب اعظمی دیوبند سے تشریف لائے اور جنازے کی نماز پڑھائی اور پھر آبائی قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

لو وعدہ وفا ہوگیا اے اہل چمن آج
ہم حرف وفا خون سے تحریر کریں گے

ادبی شاہکار: **قسط دوم**

قاضی عبدالرحمن حیرتؔ

اوران کا سرمایہ ادب اطفال

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
رفیق اعزازی دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

۱-: نیند

۱-: نیندیوں تو خدا کی رحمت ہے، مگر بے وقت آنا بری بلا ہے، جب یہ انسان پر غالب آتی ہے تو بعض اوقات سخت نقصان پہنچاتی ہے، اس کی زیادتی سے لوگ کاہل ہوجاتے ہیں، اور وہ کھانے پینے کے علاوہ دنیا کا کوئی کام نہیں کرسکتے، اس لئے کہا گیا ہے جو سویا وہ کھویا۔

۲-: نیند کا اس وقت خاص کر غلبہ ہوتا ہے جس وقت انسان کوئی دماغی کام کرتا ہے یا تھکا ہوتا ہے، ایسے وقت انسان لاکھ تدبیر کرے، لیکن اس سے نجات نہیں ملتی، دیکھو ایک طالب علم نیند سے تنگ ہوکر اس طرح فریاد کرتا ہے۔ اس کے بعد مرتب نے حفیظ جون پوری کی نظم ''ایک طالب علم کی نیند'' درج کی ہے، مگر ہم اس سے صرف نظر کرتے ہوئے خود مرتب کی ایک مختصر نظم ''ماں باپ'' بطور نمونہ نقل کرتے ہیں:

انسان کی سعادت ماں باپ کی ہے خدمت — گویا بڑی عبادت ماں باپ کی ہے خدمت
سوراحتوں کی راحت ماں باپ کی ہے خدمت — سونعمتوں کی نعمت ماں باپ کی ہے خدمت
دنیا میں بول بالا عقبیٰ میں نام روشن — دونوں جہاں کی دولت ماں باپ کی ہے خدمت
دیکھو نہ بھول جانا اس بات کو کبھی تم — سب سے بڑی شرافت ماں باپ کی ہے خدمت
خدمت سے ان کی بچو غافل کبھی نہ رہنا — ہوتی ہے جس سے عظمت ماں باپ کی ہے خدمت

دنیا میں پائے عزت، عقبیٰ میں پائے جنت
حیرت عجب کرامت ماں باپ کی ہے خدمت

۲-: نثر

تہذیب القواعد میں درج ذیل اہل قلم کی تحریریں شامل ہیں:

سرسید احمد خاں (۱؍عدد)، علامہ شبلی (۱؍عدد)، مولانا عبدالسلام ندوی (۱؍عدد)، مولوی اقبال احمد خاں سہیلؔ

(۱/عدد)،مرزا احسان احمد(۱/عدد)،مولوی سعید انصاری(۱/عدد)،مولوی محمد اسماعیل خاں(۲/عدد) مولوی محمد یوسف وحشی(۴/عدد)،مولوی ذکاء اللہ دہلوی(۱/عدد)،کبیر دہلوی(۱/عدد)،مولوی نذیر احمد دہلوی(۱/عدد)، سید احمد دہلوی(۱/عدد)،اکبرالہ آبادی(۱/عدد)،مولوی محمد یوسف رنجورؔ(۱/عدد)۔کل:۲۸/عدد

نظم ونثر پر مشتمل ان اسباق کے آخر میں بچوں کو عرضیاں اور درخواست لکھنے کی ترغیب دی گئی ہے اور چند عرضیاں بطور نمونہ درج کی گئی ہیں۔سب سے آخر میں غزلیات ورباعیات کے عنوان سے مرزا غالب اور مرتب کی غزلیں اور انیس وا کبرالہ آبادی کی ایک ایک رباعیاں درج کی گئی ہیں۔غالب کی غزل میں حیرتؔ نے آخر میں اپنا ایک شعر کہہ کر شامل کیا ہے اور رنگ میں رنگ ملانے کی کوشش کی ہے،مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی۔

حصہ دوم: حصہ دوم میں بھی اتنے ہی اسباق ہیں اور اسی نوع کے مشقی سوالات دئے گئے ہیں۔البتہ اس حصہ کا معیار پہلے حصہ سے کچھ بلند معلوم ہوتا ہے۔

آخر میں چند خطوط نقل کئے گئے ہیں۔اس میں مرزا غالب اور مولوی نذیر احمد کے ایک ایک اور علامہ شبلی کے دو خط درج ہیں،جس میں ایک خط مرتب کے نام ہے اور نادر ہے اور مکاتیب شبلی میں شامل بھی نہیں ہے۔

آخر میں غزلیات ورباعیات کا حصہ ہے،جس میں میر اثر دہلوی،ظفر دہلوی،امیر لکھنوی اور خود مولف کی ایک ایک غزلیں اور مرزا دبیر ومولانا حالی کی ایک ایک رباعیاں شامل کی گئی ہیں۔

۱۰۔حیرۃ الفقہ:

یہ منظوم تصنیف بھی قاضی عبدالرحمن حیرتؔ نے بچوں کے لئے تیار کی ہے۔۱۹۲۹ء میں معارف پریس اعظم گڑھ سے مولوی مسعود علی ندوی کے اہتمام میں شائع ہوئی ہے۔اس میں نماز اور روزہ وغیرہ کے ضروری اور بنیادی مسائل،بچوں کے لئے عام فہم انداز میں منظوم کئے گئے ہیں،اس کی تقریظ ادیب شہیر مولانا عبدالسلام ندوی کے قلم سے ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''اس رسالہ کو میں نے اول سے آخر تک بغور دیکھا۔مجھے اکثر مصنف ممدوح کے مسودات کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور ان کو دیکھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان کی زندگی کا مقصد زیادہ تر چھوٹے بچوں کی زندگی کی تہذیب واصلاح ہے۔اسی غرض سے وہ کتابیں اور رسالے لکھتے ہیں اور ان میں تمام ضروری مسائل کو نہایت سلیس اور عام فہم بنادیتے ہیں۔اس رسالے میں بھی انہوں نے فقہ کے ضروری مسائل کو نہایت سلیس زبان میں نظم کیا ہے اور باوجود استقصاء وجامعیت کے یہ رسالہ اس قدر طویل بھی نہیں ہے جس کا یاد کرنا بچوں کے لئے دشوار ہو،اس لئے مجھے یقین ہے کہ تمام مکاتب ومدارس کے لڑکے اس کو نہایت دلچسپی سے پڑھیں گے اور اس سے مدۃ العمر دینی فائدہ

اٹھاتے رہیں گے، کیونکہ نظم کی یہ سب سے بڑی خصوصیت ہے کہ وہ بھولتے بھولتے بھی کچھ نہ کچھ یاد رہ جاتی ہے، اس لئے اس رسالہ کے متعدد اشعار ان طلباء کو جنہوں نے بچپن میں اس کو دلچسپی سے پڑھا ہے زمانہ شباب بلکہ زمانہ پیری میں بھی یاد رہیں گے اور وہ اس سے مستفیض ہوتے رہیں گے۔'' (عبدالسلام ندوی۔ ۲۰؍جنوری ۱۹۲۹ء)

قاضی عبدالرحمن حیرت نے بیسویں صدی کی ابتدا میں بلکہ اس وقت جب مولوی اسماعیل میرٹھی کے سوا بہت کم لوگوں نے ادب اطفال کی جانب توجہ کی تھی انہوں نے اپنی ساری توجہ اس جانب مرکوز کی اور اعظم گڑھ میں بھی ادب اطفال پر اس وقت کام کیا جب دارالمصنّفین کے علمی کاموں کا ابھی آغاز بھی نہیں ہوا تھا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ اور اس کے ادب اطفال کے ماہرین کا وجود بھی نہیں تھا تب انہوں نے تن تنہا کتابیں لکھیں۔ مولانا عبدالسلام ندوی نے گو بعد میں سہی اس کا اعتراف کیا اور لکھا کہ:

> ''مجھے اکثر مصنف ممدوح کے مسودات کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور ان کو دیکھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان کی زندگی کا مقصد زیادہ تر چھوٹے بچوں کی زندگی کی تہذیب و اصلاح ہے۔ اسی غرض سے وہ کتابیں اور رسالے لکھتے ہیں اور ان میں تمام ضروری مسائل کو نہایت سلیس اور عام فہم بنا دیتے ہیں۔''
>
> (قاضی عبدالرحمن حیرت، حیرۃ الفقہ ص ۳۹)

قاضی حیرت صاحب پختہ مشق شاعر تھے۔ زبان و بیان پر بڑی دسترس حاصل تھی۔ ان کی نظمیں ملک کے مؤقر رسائل و جراید میں چھپتی تھیں، مگر اس وقت ان کا کلام دستیاب نہیں۔ البتہ انہوں نے بچوں کے لئے جو موضوعاتی نظمیں ''تہذیب القواعد'' میں لکھی ہیں، وہ اس کتاب میں ضرور موجود ہیں اور آج بھی یہ نظمیں بچوں کے لئے بے حد مفید معلوم ہوتی ہیں۔

....

ادبی شاہکار: **آخری قسط**

تاروں بھرے آسمان سے یہ مٹھی بھر تارے

خواجہ کوثر حیات، اورنگ آباد (دکن)

بیسویں صدی میں بھی تضمین نگاری پر طبع آزمائی کی گئی۔ معروف ومعتبر شعراء نے بھی اسے اپنا شعار بنایا۔ جس کا احاطہ شیخ عقیل احمد نے تنقید وتجزیہ کے لحاظ سے فنکارانہ انداز میں عمدگی سے کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ؛

''بیسویں صدی میں جدید اردو غزل کے ممتاز ترین شاعر حسرت موہانی نے بھی تضمین کے فن کی طرف توجہ کی۔ ان کی تضمین نگاری بھی ان کی غزل کی طرح کلاسکی روایت کے دائرے میں رہ کر سچے عاشقانہ جذبات، صوفیانہ واردات اور بے تکلف اور برجستہ انداز بیان کی آئینہ دار ہے۔ حسرت نے فارسی کے مشہور اور منتخب اشعار پر تضمین کی ہے۔ تضمین کے لیے حسرت نے صرف ان اشعار کا انتخاب کیا ہے جو ان کی غزل کے مزاج کے مطابق ہیں۔ حافظ کی اس مشہور غزل کے پانچ اشعار پر اس فنکاری کے ساتھ تضمین کی ہے کہ حافظ کے عاشقانہ اشعار تضمین کے مصرعوں سے پیوست ہو کر منقبت کا رنگ اختیار کر گئے ہیں۔

وہ رنگیں گل گلشن رہنمائی　　وہ سرمایۂ نازش مقتدائی
وہ زیبندِ مسند مصطفائی　　سلامے چو بوئے خوش آشنائی
بداں مردم دیدہ روشنائی　　بدرگا آں دلیر دلربایاں
جزیں ہیچ نیاید زمانے نوایاں　　دعائے یہ جو حسن تمنائے مایاں
درودے چو نور دل پارسایاں　　بداں شمع خلوت گہ پارسائی
خبر دار اے میکش ناشکیبا　　نہ کرنا نہیں ترک مے کا ارادہ
بر آنے کو ہے تیرے دل کی تمنا　　زکوئے مغاں رو مگر داں کہ آنجا

آپ کے تجزیہ کی نمایاں خوبیوں میں شامل ہے کہ جہاں تضمین نگاری میں ہونے والی تبدیلیوں پر سیر حاصل بات کی گئی وہیں اس کے امکانات اور تجربہ کو بھی تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ تفصیلی تجزیہ کے بعد شیخ عقیل احمد تضمین نگاری کے طبع آزمائی کے امکانات سے پر امید ہیں اور انہیں توقع ہے کہ تضمین نگاری اپنی جگہ قائم رکھنے میں کامیاب رہے گی۔ آپ کا یقین ہے کہ ''ہر دور میں ہیئت کے اعتبار سے تضمین میں وسعت پیدا ہوئی ہے اور ہر صنف سخن کو فن تضمین نے اپنی اثر آفرینی اور دلکشی سے خوبصورت اور پر لطف بنایا ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں اس کی مقبولیت میں بھی اضافہ کیا ہے۔ مستقبل میں اگر کوئی صنف سخن وجود میں آئی تو تضمین اسے بھی آراستہ کرے گی اور اس کی دلکشی اور مقبولیت کو بڑھائے گی کیونکہ ہیئت کے اعتبار سے تضمین میں وسعت پیدا ہونے کے امکانات ہیں۔''

تنقید، تحقیق وتجزیہ ادب کا وہ سنگلاخ میدان ہے جس میں عقل وخرد کے گھوڑے دوڑانا جوئے شیر لانے کے

مصداق ہے۔ وسیع نکتہ نظر، گہرا، باریک بین مشاہدہ، عمیق مطالعہ، تجزیہ کی ماہرانہ صلاحیتیں، عرق ریزی سے دلائل کی حصول یابی اور تنقیدی غیر جانبدارانہ نقطہ نظر ان عوامل سے تنقید و تحقیق مکمل ہوتی ہے۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ شیخ عقیل احمد کے مزاج میں ان عوامل نے ہی ان سے وہ دستاویزی کام کروائے ہیں جو ارباب علم کو دعوت فکر دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنا قلم ان اصناف پر اٹھایا جو یا تو دم توڑ رہی ہے یا یکسر ناپید ہوچکی ہے۔ فن تضمین نگاری کی طرح، قطعہ تاریخ بھی ادب میں اپنا مخصوص مقام بنانے میں ناکام رہی ہے۔

شیخ عقیل احمد کی کاوش ''فن تظمین نگاری: تنقید و تجزیہ'' کے علاوہ ''مغیث الدین فریدی اور قطعات تاریخ'' بھی ادب میں ایک قیمتی اضافہ ہے۔ چونکہ فن تاریخ گوئی ایک قدیم صنفِ سخن ہے۔ یہ فن بھی اردو کی دیگر کئی اصناف کی طرح اردو میں فارسی سے آیا ہے۔ اس فن کا بڑا مقصد اہم واقعات کے سال کو محفوظ رکھنا ہے۔ جیسے ولادت، شادی، وفات، کتابوں کی تصنیف، بادشاہوں کی تخت نشینی، فتوحات، خطاب یابی، منصب پر ماموریت اور عمارت کی تعمیر پر قطعات تاریخ لکھے جاتے ہیں۔ اس کے اعداد جوڑنے سے واقعے کا سال نکالا جاتا ہے۔ تاریخ گوئی میں کسی واقعے کے سال وقوع کو حروف ابجد کے لحاظ سے نظم کیا جاتا ہے۔ قطعہ تاریخ پر کمال رکھنے والی چنندہ شخصیات میں سے ہی مغیث الدین فریدی صاحب کا شمار ہوتا ہے جو کہ شیخ عقیل احمد کے استاد محترم تھے۔ جن کی طلسماتی شخصیت اور تخلیقی عظمتوں کے آپ ہمیشہ معترف رہے۔ مغیث الدین فریدی صاحب اپنی غزلوں کے لئے بہت مشہور ہوئے۔ مگر قطعات تاریخ میں ان کا کام بہت زیادہ اور توجہ طلب ہے۔ جسے بہت ہی محنت سے یکجا کر کے ان کی بہترین انداز میں ترتیب و تدوین کے ساتھ کتابی شکل میں لاکر انہوں نے فرض تلامیذ ادا کیا ہے۔

اس کتاب میں صاحب تحریر کے فن کے ساتھ ساتھ ان کی شخصیت پر بھر پور روشنی ڈالی گئی اور گفتگو کے ذریعے ان کی شخصیت کے رموز، تربیت، تدریجی مراحل اور فنکارانہ صلاحیتوں کے گوشے گوشے کو قلمبند کر کے پیش کیا گیا۔ شیخ عقیل احمد نے مغیث الدین فریدی صاحب سے انٹرویو لیتے ہوئے اپنے مدبرانہ سوالات کے ذریعے قارئین کے لئے فنی معلومات فراہم کی ہے۔ جیسے اپنے ایک سوال میں غزل کے سلسلے میں فریدی صاحب کے نقطہ نظر پر بات کرتے ہیں جس کے جواب میں مغیث صاحب لکھتے ہیں کہ:

''میں نے غزل کے ساتھ ساتھ نظم بھی کہی ہے اور طالب علمی کے زمانے میں شاید نظمیں، غزلوں سے زیادہ ہی کہی ہیں۔ میری نظمیں 'خیام' لاہور، 'عالمگیر' لاہور، 'مشہور' دہلی اور 'خاتون مشرق' دہلی میں شائع ہوتی تھیں۔ ۱۹۵۰ء میں نظموں کا مجموعہ منظر عام پر آنے والا تھا۔ کتابت ہوچکی تھی۔ یکا یک یہ خیال آیا کہ ان رومانی نظموں میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ یہ میری شاعرانہ شناخت کا ذریعہ نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کی اشاعت کا ارادہ ترک کر دیا۔ کتابت شدہ اوراق کی جلد بندی کرا کے الماری میں بند کر دیا۔ اس وقت جو غزل کہہ رہا تھا اس کا مقطع شاید اسی فیصلہ کا ترجمان ہے۔

منکرِ فنِ غزل تھا جو فریدی اب تک وہی اس جنس گرامی کا خریدار بھی ہے

اس کے بعد سے غزل ہی کہہ رہا ہوں اور غیر شعوری طور پر غزل سے بڑھتی ہوئی دلچسپی کا اظہار غزل کے مقطع میں ہوتا رہا ہے ۔

ہے فریدی تقاضائے رنگِ غزل ذہن کی روشنی روح کی تازگی
شعلہ احساس کا پیکر حرف میں ڈھل کے نکھرے کسی شعلہ رو کی طرح

ہزار شیوے تھے گفتگو کے ہزار انداز تھے سخن کے مگر یہ ایمائے دل فریدی، فدائے رنگِ غزل رہا ہے

تاریخ گوئی کے اس قدیم فن پر لکھنے والوں کے بہت کم نمایاں نام سامنے آتے ہیں ۔علاقہ دکن سے بزرگ خوش فکر شاعر شاہ حسین نہری صاحب کے لکھے'قطعہ تاریخ' آج بھی کتابوں میں اہتمام سے شامل کیے جاتے ہیں ۔درج ذیل قطعہ تاریخ ملاحظہ فرمائیں ۔

اورنگ آباد (دکن) کے نشاۃ الثانیہ کے علمبردار ڈاکٹر رفیق زکریا کا دارفانی سے کوچ کر جانا ،ایک عظیم سانحے سے کم نہیں ، جو نہ صرف مدبر سیاسی رہنما تھے' بلکہ علم وادب کے مینار نور بھی تھے ۔رفیق غم رفیق کہنا اور اس سانحہ کو عظیم قرار دے کر کمال شاعری کا بہترین نمونہ ہے ۔**اللّٰھُمَ اغْفِرْ لِرَفِیْقِ الْسعوَان**

غمِ رفیق ہے عظیم، سفیرراہِ سلم رفت، ہے سال انتقال شاہ! ''رفیق و حَبر علم رفت'' (۲۰۰۵عیسوی)

شاہ حسین نہری صاحب کا اور ایک قطعہ تاریخ پیش خدمت ہے جو آپ نے اورنگ آباد (دکن) کے شاعر ، ادیب، محقق ونقاد اسلم مرزا نے سچید انندن کے شعری مجموعہ کی اردو کے ترجمے کی اشاعت پر کہا ہے ۔

''بمناسبت اشاعت کتاب الموسوم ''لکنت''، شاعر: سچید انندن-مترجم شاعر: اسلم مرزا،
لکنت آ گاہ یہ کتاب بولتی ہے، (۱۴۲۶ہجری)

سچید انندن اور اے اسلم مرزا، یہ نظمیں یہ تراجم، خوب سنگت ہے، ہے تاریخ اشاعت سال ہجری سے
''فصاحت جی رہی ہے نام لکنت ہے'' (۱۴۲۸ (ہجری)

اسی طرح علاقہ برار کے شہر اچل پور سے معروف نقاد غلام علی صاحب کے لکھے قطعات بھی کتبات کی زینت بنے ہیں ۔راقم الحروف کے جد امجد سید ابوالفتح ضیاء الدین سید امجد حسین خطیب کے مزار پر موجود کتبہ جس کا قطعہ تاریخ غلام علی صاحب نے لکھا ہے ۔ولادت ۱۲۴۸ ہجری بمطابق ۱۸۳۲ عیسوی ، وفات ۱۳۲۳ ہجری بمطابق ۱۹۰۵ عیسوی، ''قطعہ تاریخ وفات پاک'' (۱۴۲۸ (ہجری)

''پاک داماں عزت مآب خطیب سید امجد حسین صاحب مرحوم''،''لازوال عاشق رسول آفتاب برار امجد حسین'' ۱۹۰۵ عیسوی،''شاعرِ لاثانی وادیب ماہِ کامل'' ۱۹۰۵عیسوی

امجد حسین ہم سے ہوئے دور تا ابد، دنیا رہے گی درد سے رنجور تا ابد، ہاتف صدا لگائے کہ اُن کا مزار پاک،
فیض حمیدِ حق سے ہو معمور تا ابد، (''ازمال اندیش سید غلام علی بیابانی اچلپور'') ۱۳۲۳ ہجری

مغیث الدین فریدی صاحب قطعہ تاریخ لکھنے میں منفرد مقام رکھتے ہیں ۔ ان کے قطعات جو مختلف مواقعوں پر لکھے گئے جیسے صاحب جشن ،شخصیت کی آمد پر، پیدائش پر، استقبالیہ، انتقال پر جن کا احاطہ شیخ عقیل احمد نے تفصیل کے ساتھ کمال ہنر سے کیا ہے۔ وہ قطعات سے متعلق معلومات بھی فراہم کرتے ہیں ۔ان کی تاریخ گوئی کی شہرت جن قطعات سے ہوئی اس میں جوش صاحب کے خیر مقدم کے لئے ان کا لکھا قطعہ تاریخ جب حضرت جوش ملیح آبادی شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی میں آئے تھے اس وقت خیر مقدم میں یہ قطعۂ تاریخ لکھا تھا۔

صدائے قلقل مینا میں کس کا نام ہے ساقی دل و دیدہ ہوئے جاتے ہیں فرش راہ میخانہ
جھکی مینا کی گردن خم ادب سے جام ہے ساقی پئے تاریخ مصرع جوش کا پڑھ کر "صبا" نکلی
کہ یہ اپنی صدی کا حافظ وخیام ہے ساقی (۲۰۱۷ عیسوی)

تنقید ہی ادب میں نئے زاویے متعارف کرنے کا باعث بنتی ہے۔ شیخ عقیل احمد کا تنقیدی نقطہ نظر ان کی سوچ کی رفعتوں کو نہ صرف ظاہر کرتا ہے بلکہ ان کے افکار کی بلندی کو بھی پیش کرتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ:

''اس بات سے شاید ہی کسی کو انکار ہو کہ قدیم دور کے نادر و نایاب مجرب نسخے ہی بنیاد ہیں دورِ جدید کی ترقی یافتہ دواؤں کی۔ مجھے یہ کہنے کی بھی اجازت دیجیے کہ ہمارے ادب کی بہت سی نایاب اصناف آج کمیاب صرف اس لیے ہوگئیں کہ ہم حد سے زیادہ سہل پسند ہو گئے ہیں اور ہمارا یہ تساہل ہمیں عرق ریزی کے جوہر سے نا آشنا کر چکا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم ہر اس صنف سے گریز کرنے لگے جس صنف میں عرق دماغ کی آمیزش ناگزیر ہے۔''

آپ کے یہ کلمات لکھنے والوں کی سوچ کا دائرہ وسیع کرنے کا باعث ہے جو اپنے آپ کو مخصوص صنف تک ہی محدود رکھ کر تخلیقی عمل انجام دے رہے ہیں ۔ اگر مختلف اصناف پر مسلسل طبع آزمائی کی جائے تو یقینا نتائج کی صورت میں قدیم اصناف کی بقاء ممکن ہو جائے گی۔

یہ کتاب نہ صرف مغیث الدین فریدی صاحب کے قطعات ہمارے روبرو کرنے کا فریضہ انجام دے رہی ہے بلکہ قطعہ تاریخ کی تاریخ ،اس میں حروف اور اعداد کے علم پر شیخ عقیل احمد کی مہارت سے روشنی ڈالنا تفصیلی وضاحت بھی پیش کی جو قطعہ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے رہنمائی ثابت ہوگی۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''اُردو تاریخ گوئی کی بنیاد عربی ابجد پر ہے جس میں ایک سے ہزار تک کے اعداد شامل ہیں جس کی مدد سے کسی بھی نظام تقویم میں تاریخ نکالی جاسکتی ہے خواہ وہ ہجری تاریخ ہو یا عیسوی یا فصلی یا بکرمی۔ ابجد کی ترتیب میں آٹھ بامعنی کلمے ہیں جن میں عربی کے تمام حروف شامل ہیں۔ مثلاً ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت، ثخذ اور ضظغ۔''

فن پر معہ دلائل تحقیقی اور تجزیاتی نکتہ نظر سے بات کرتے ہوئے شیخ عقیل احمد فنکار کی فنکارانہ صلاحیتوں کو اجاگر کرتے ہوئے ان کے فنی محاسن کو بھی کما حقہ انداز میں پیش کرتے ہیں ۔تضمین نگاری اور قطعہ تاریخ پر کمال مہارت رکھنے والی شخصیت کے لئے وہ لکھتے ہیں کہ:

''ڈاکٹر مغیث الدین فریدی بھی اسی سلسلۃ الذھب کی ایک حسین کڑی ہیں اور ان کے قطعات تاریخ سے

ان کی قدرت کلامی اور زبان و بیان پر مکمل عبور کا اندازہ ہوتا ہے۔ غزل گوئی میں اتنی دشواریاں نہیں ہوتیں جتنی کہ قطعات نگاری کے لیے مشکلوں اور صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے لیے استحضار اور تنشیط اذہان نہایت ضروری ہیں اور ڈاکٹر مغیث الدین فریدی کے اندر یقیناً یہ خوبی تھی کہ ان کا ذہن بہت ہی حاضر تھا اور ہمہ وقت تخلیقی طور پر فعال اور متحرک رہتا تھا۔ یہی ان کے معجز فن کی نمود ہے۔''

اس کتاب میں مغیث الدین فریدی کے لکھے مختلف قطعات تاریخ کو یکجا کیا گیا ہے جس میں صحت یابی کے موقع پر لکھے گئے قطعات کسی صدمے کے وقت، کسی کی آمد پر، مہمان نوازی پر، شادی کے موقع پر غرض مختلف اہم مواقع پر قطعہ تاریخ رقم کیے گئے جس کا حوالہ معہ قطعات تاریخ اس کتاب میں ملتا ہے۔ ڈاکٹر مثنی رضوی کے خط کے اقتباس سے شیخ عقیل احمد کی اس اہم کاوش کی اہمیت مزید واضح ہوتی ہے؛

''مغیث الدین فریدی اور قطعات تاریخ فن تاریخ گوئی پر ایک محققانہ اور تنقیدی محاکمہ ہے۔ یہ مطالعہ انھوں نے مغیث الدین فریدی کی تخلیقات کے حوالہ سے کیا ہے۔ معلومات افزا انٹرویو اور یادوں پر مبنی مضمون کے ذریعہ مغیث الدین فریدی مرحوم کی ادبی اور شاعرانہ شخصیت کے ساتھ ساتھ ایک اعلیٰ درجہ کی انسان دوست شخصیت کے نقوش اور خدوخال کو جس رچے ہوئے تخلیقی انداز میں اُبھارا ہے وہ کچھ اُنہی کا حصہ ہے۔''

مغیث الدین فریدی اور قطعات تاریخ شیخ عقیل احمد کی ادبی خدمات کا اعلی نمونہ مانی جاسکتی ہے جس میں حروف علم الاعداد اور ہندسے کے وجود میں آنے سے متعلق تمام روایتوں کو تاریخی اور تحریری دلائل کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ اعداد اور ابجد کی ابتدا، مشرق میں نمو پانے والے فن تاریخ کی روایت، الفاظ کے سہارے سے اعداد کا اخذ کیا جانا اور حافظہ میں محفوظ رکھنے کے لئے اشعار کے قالب میں ڈھالنا۔ اردو تاریخ گوئی اور عربی ابجد اس کتاب میں تعارفی انداز میں پیش کی گئی ہے جسے قطعۂ تاریخ کے بہترین تعارف سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر آفاق احمد آفاقی کے کتاب میں شامل اس اقتباس سے ادب میں کتاب کی فنی حیثیت کا ادراک ہوتا ہے:

''رخش فریدی میں تاریخ گوئی کی مشرقی روایت اور عہد بہ عہد اس کے ارتقاء کا عالمانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ فکری وفنی سطح پر فریدی کے تاریخی قطعات کا معروضی تجزیہ کیا گیا ہے۔ آخری باب میں تاریخی قطعات کا انتخاب زمانی اور موضوعی اعتبار سے درجہ بندی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور اس ضمن میں ضروری وضاحت بھی شامل ہے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب تحقیقی نوعیت کی ہے اور تاریخ گوئی کی تاریخ میں اضافے کا درجہ رکھتی ہے۔''

شیخ عقیل احمد کے تنقیدی زاویے اور تحقیقی امور کا جائزہ چند صفحات میں محدود کرنا ناانصافی ہوگی مگر راقم نے مختصر انداز میں آپ کی چند کاوشوں کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ امید ارباب علم وفن آپ کے تنقیدی بصیرت سے مستفید ہوکر ادب میں مزید اضافہ کریں گے۔

....

تعارف کتب:

انوارالمشکوٰۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح

تبصرہ: مفتی شرف الدین عظیم الاعظمی

نام کتاب: انوار المشکوٰۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح،مکمل چار جلد، جامع ،حضرت مولانا محمد سلمان مظاہری، ناشر و مرتب دارالحمد اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ سورت، قیمت درج نہیں۔

فن حدیث میں مشکوۃ المصابیح کو موضوع کی جامعیت،روایات کی صحت اور احادیث وآثار میں ضبط و ترتیب اور انتخاب کے حوالے سے جو امتیازی شان حاصل ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں ہے،اس کتاب کا فیض درس نظامی کے ساتھ ساتھ دیگر طریقوں سے روز اول سے ہی تسلسل کے ساتھ جاری ہے،طالبان حدیث کے اسی اعتناء خاص کا نتیجہ ہے کہ اسلامی علوم کی تینوں زبانوں عربی فارسی اور اردو میں بے شمار شروحات اور دروس کی جمع وترتیب عمل میں آتی رہی ہے اور ہنوز اس کا سلسلہ جاری ہے اردو زبان میں خیر المفاتیح علامہ شبیر الحق کشمیری، درس مشکوۃ مولانا اسحاق تلمیذ رشید علامہ بنوری، اشرف التوضیح مولانا نذیر احمد خلیفہ ڈاکٹر عبدالحی عارفی ،توضیحات مولانا فضل محمد یوسف، مصفاۃ الینابیع مفتی طاہر مظاہر علوم سہارنپور اور مشہور مفصل شرح مظاہر حق کا اس حوالے سے نام لیا جاسکتا ہے،اس کے علاوہ دوسرے مسالک میں اس کی جو شرحیں لکھی گئی ہیں وہ مستزاد،اسی سلسلے کی سنہری کڑی انوار المشکوٰۃ بھی ہے جو درحقیقت کشور حدیث کے نہایت قابل فخر فرمانروا شیخ یونس جونپوریؒ کی درسی تقریروں کا مجموعہ ہے، جو چار جلدوں میں ۲۲۷۴ رصفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

درسی تقریر تحقیق وتدقیق اور جامعیت کے اعتبار سے یقیناً وہ درجہ نہیں رکھتی ہے جو باضابطہ کسی تصنیف کو حاصل ہے،اس لئے ممکن ہے یہ خیال پیدا ہو کہ عام دروس پر مشتمل کتابوں کی طرح یہ شرح بھی سرسری معلومات پر مبنی ہوگی،مگر یہاں یہ خیال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ یہ تقریر کسی متوسط عالم کی نہیں بلکہ ایک ایسے محدث کی ہے علمی دنیا میں جسے اس حوالے سے امامت کا درجہ حاصل ہے،فن رجال میں جس کی توضیحات سند اور معلومات مرجعیت کے مقام پر تھیں،عرب سے عجم تک فن حدیث میں جس کی عظمت کے چرچے ہوں اس کے دروس وبیانات اگر علم وتحقیقات میں تحریری دفتروں سے فائق ہوں تو قطعاً تعجب کی بات نہیں ہے۔

فن حدیث میں مہارت ودلچسپی کے باعث تدریس کی ابتداء ہی میں مظاہر علوم کے ارباب وحل وعقد نے حضرت شیخ کو مشکوۃ کا درس سپرد کردیا تھا،اور اس فن میں نمایاں مقام ہی کی وجہ سے ان کے خاص شاگرد مولانا محمد

سلمان مظاہری سابق ناظم مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور جو اس وقت مشکوۃ کے طالب علم تھے نے بڑے اہتمام اور پابندی سے درس کی تمام تقریروں کو بعینہٖ نوٹ کرلیا تھا، یہ تقریریں اتنی معلومات افزا اور جامع تھیں کہ ان کی کاپیاں طلبہ کے علاوہ اساتذہ کے مطالعے میں مستقل رہا کرتی تھیں اور انہیں کی روشنی میں وہ مشکوۃ کا درس دیا کرتے تھے، ان ہی فیض یافتگان میں خطۂ گجرات کے جید عالم دین اور حضرت شیخ جونپوری کے شاگرد مولانا مفتی شبیر احمد صاحب بلیک برن برطانیہ بھی ہیں جنھوں نے اپنے درس حدیث میں اس تقریر کو مستقل حرز جاں بنائے رکھا اور انہیں کے تلمیذ رشید مفسر قرآن مولانا عبدالرحیم لمباڈا استاذ دارالعلوم بری برطانیہ نے بھی دوران تدریس اس تقریری مسودہ کو مستقل اپنے مطالعے میں رکھا، وہ لکھتے ہیں:

''مجھے سب سے پہلے یہ نقل اور فوٹو کاپی ہمارے استاذ محترم حضرت اقدس مفتی شبیر صاحب دامت برکاتہم سے حاصل ہوئی، میں دارالعلوم بری میں سالہا سال تک مشکوۃ شریف جلد ثانی پڑھاتا رہا تو اس میں شیخ یونس صاحب کی اس کاپی سے خوب استفادہ کیا، بلکہ بہت سے مواقع پر تو حضرت ہی کی بات کو ہم ہو بہو نقل کردیتے تھے اور یہ امید کرتے تھے کہ شیخ کا فیض یہاں برطانیہ میں طلبہ کو پہونچے اور ہمارے گناہوں کی نحوست بیچ میں رکاوٹ نہ بنے، اور کبھی کبھی حضرت کے کلام کی تشریح کرنی پڑتی اس لیے کہ حضرت کی بات بہت پرمغز اور جامع ہوا کرتی تھی، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ جلد اوّل مفتی شبیر صاحب کے یہاں تھی تو میں نے ان سے درخواست کی کہ اس سال ہم ادلی بدلی کرلیں وہ بھی مان گئے، چنانچہ انھوں نے جلد ثانی اور میں نے جلد اول پڑھائی تو اس وقت جلد اول سے بھی استفادہ کا موقع ملا۔ (جلد اول،صفحہ:۵۴)

اس علمی خزانے کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر مولانا عبدالرحیم صاحب کی شدید خواہش تھی کہ حضرت شیخ کے درس بخاری کی طرح یہ بھی تقریریں بھی کتابی شکل میں آجائیں تاکہ استاذ گرامی مفتی شبیر صاحب کی دیرینہ تمنا کی تکمیل کے ساتھ ساتھ طالبان علوم حدیث کے لئے ایک قیمتی سامان میسر ہوجائے، اس کام کے لئے انھوں نے کوششیں بھی شروع کردیں، اور سہارنپور کا سفر کرکے مولانا سلمان صاحب سے ملاقات اور طباعت کی اجازت بھی حاصل کرلی، اور پھر پوری دلجمعی سے اس کی طباعت کے لئے سرگرم ہوگئے۔

سورت شہر میں دارالحمد اسلامک:

ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بڑا فعال اور سرگرم ادارہ ہے یہ ادارہ مفتی طاہر صاحب باکس والا جو سورت کی چوڑ گھر نامی جامع مسجد میں امام وخطیب ہیں کی قیادت میں ترقی کی منزلیں طے کررہا ہے، اس ادارے سے مختلف اسلامی موضوعات پر خصوصاً فقہ وحدیث پر بیسیوں کتابیں شایع ہوچکی ہیں، علمی کتابوں اور مسودات کی تحقیق وتعلیق اور ریسرچ کے لئے علماء ومحققین کی پوری ایک ٹیم یہاں کام کرتی ہے، اور نہایت نظم ونسق کے ساتھ خاموشی سے علم کی تصنیفی اور تحقیقی خدمت میں مصروف ہے، چونکہ خود مفتی طاہر صاحب ایک علمی شخصیت ہیں، اور علمی خزانوں کے

قدرداں ہیں، اس لئے یہ ادارہ بھی علم کی حفاظت واشاعت میں پوری قوت سے سرگرم ہے، اس کی اسی خصوصیت کی وجہ سے مولانا عبدالرحیم لمباڈا نے اس کام کو مفتی طاہر صاحب کے سپرد کردیا، ان کی نگرانی میں یہ تحریری نوٹ تحقیق وترتیب اور تبویب وتصویب کے مرحلے سے گذر کر شاندار انداز میں طباعت سے آراستہ ہوگیا۔

حضرت شیخ چونکہ عظیم محدث اور ماہر رجال تھے اس لیے پوری تقریر محدثانہ شان اور محققانہ کمال سے مملو ہے، دوران مطالعہ محسوس ہی نہیں ہوتا ہے کہ یہ ان کے دروس کا مجموعہ ہے، فن حدیث میں امہات الکتب کی شروحات جن خصوصیات سے پر ہیں، انہیں کمالات سے یہ کتاب بھی آراستہ ہے، یعنی وہی محدثانہ تشریحات، مورخانہ اسلوب، عالمانہ طرز بیان وادا، ناقدانہ مہارت، راویان حدیث کے احوال وکوائف اور ان کی روشنی میں روایات کی پوزیشن کی توضیح، علم عقائد علم فقہ، اصولیات وفروعات اور معاشرتی مسائل واحکامات میں ائمہ اربعہ کے ساتھ ساتھ دیگر مکاتب فکر کے ائمہ کی آرا اور اصول حدیث کی روشنی میں ان کا تحلیل وتجزیہ جو متقدمین فقہاء ومحدثین کا طرۂ امتیاز ہے۔

اس علمی شرح میں حضرت شیخ محدثانہ طریقے پر روایات کی پوزیشن بھی صاف کرتے ہیں، اور اس کی مستند تشریح بھی، لفظوں اور جملوں کے معانی بھی بتاتے ہیں اور ان کا مصداق بھی، مراتب ودرجات کے اعتبار سے احادیث کا درجہ بھی متعین کرتے ہیں اور ان کی استدلالی حیثیت بھی، ناسخ ومنسوخ کا بھی ذکر کرتے ہیں اور دفع تعارض بھی، اہل باطل کے مستدلات کا محدثانہ تجزیہ بھی کرتے ہیں اور محققانہ تنقید بھی، اختلافات ائمہ کا بھی تذکرہ کرتے ہیں اور ٹھوس ثبوتوں کی روشنی میں احناف کے نقطۂ نظر کی ترجیح وتصحیح بھی، غرض شیخ اپنے محدثانہ ذوق ومزاج کے مطابق احادیث رسول کا محققانہ جائزہ لیکر پورے اعتماد کے ساتھ درست اور صحیح نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے چلے جاتے ہیں۔

کتاب کی پہلی جلد کتاب الایمان سے شروع ہوکر باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ پر مکمل ہوتی ہے، جس میں توحید ورسالت، ایمان وعقائد، نیک وبد اعمال وافعال کے اثرات، رسول اللہ ﷺ سے محبت کی اہمیت، وحدت ادیان، نیکیوں پر عمل اور منکرات سے اجتناب کی بیعت، کبائر وصغائر اور نفاق کی حقیقت، سحر، کرامت، معجزے اور ربا کے احکامات، خوارج معتزلہ، قدریہ جہمیہ کے عقائد وافکار اور تہتر فرقوں کی تفصیلات کے علاوہ تقدیر، سنت وبدعت، عذاب قبر، حشر ونشر کی تفصیلات موجود ہیں، آغاز میں مولانا عبدالرحیم لمباڈا کی تحریر کے بعد تیس صفحات میں حدیث کی تشریعی حیثیت، دین میں اس کی ضرورت واہمیت، اس سلسلے میں افراط وتفریط میں پڑنے والے نظریات، اور حدیث کی تعریف واقسام نیز محدثین کے طبقات کا بہت تفصیلی ذکر ہے یہ گویا کہ ایک بیش بہا مقدمہ ہے۔

دوسری جلد کتاب العلم سے باب المساجد ومواضع الصلاۃ تک کے مختلف موضوعات مثلاً علم وعلماء کی

اہمیت، نظافت وطہارت،حیض ونفاس واستحاضہ، وضوو غسل کے احکام، مسح علی الخفین وتیمم، اوراذان ونماز کے مستحب ومسنون اوقات کا احاطہ کرتی ہے، آغاز میں مفتی شبیر صاحب اور مفتی عبدالرحیم لمباڈا کی حوصلہ افزا تقریظات ہیں۔

تیسری جلد کتاب الصلوٰۃ کے باب الستر سے شروع ہوکر باب حرم المدینہ پر ختم ہوتی ہے، جس میں ہر قسم کی نماز اور اس سے متعلق تمام ارکان و اجزاء کے احکامات، رفع دین، آمین بالجہر والسر، فاتحہ خلف الامام، قنوت ووتر، تراویح واضحیہ جیسے معرکۃ الآرا مسائل کے ساتھ کتاب الجنائز، کتاب الصوم، فضائل القرآن، دعا واذکار اور حج وعمرہ کی تفصیلات مذکور ہیں، اس حصہ کی ضخامت ۵۷۳ رہیں ہے۔

جبکہ آخری جلد انفرادی واجتماعی، عائلی وسماجی، اور شخصی وتمدنی معاملات کے علاوہ معاشرتی اخلاق وآداب، حسن عمل وحسن سلوک علامات فتن اور رسول اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین کے فضائل واخلاق پر مشتمل ہے، جس میں تجارت، اقتصادیات، نکاح وطلاق، قصاص وحدود، عدالت وامارت، دعوت وجہاد، شکار وذبح، لباس و طعام، علاج ومعالجہ، اور حضور اکرم ﷺ کے اوصاف وکمالات اور اخلاق وکردار پر نہایت محققانہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

زبان بالکل آسان عام فہم مگر سادگی کے باوجود شستہ، رواں اور دلنشیں ومرتب ہے، مطالعہ کے دوران کہیں اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی ہے، اس قیمتی اور انمول علمی خزانے کا تقاضا تھا اسے معیاری لباس دیا جائے، مفتی طاہر صاحب باکس والا اس معاملے میں بہت باذوق واقع ہوئے ہیں سوانھوں نے اعلی درجے کی طباعت کے ذریعے حسن ذوق کا ثبوت فراہم کیا ہے، چنانچہ حدیث کی شان کے مطابق اس تشریح کو نہایت شاندار انداز میں طبع کیا ہے، کتاب اٹھایئے تو دیکھ کر طبیعت خوش ہوجاتی ہے، اور نہ پڑھنے والا بھی پڑھنے پر مجبور ہوجاتا ہے، فورکلر کی یہ طباعت نہایت ہلکے اعلیٰ کاغذ پر ہوئی ہے، کتابت بالکل پاکیزہ اور سرورق بہت نفیس اور پرکشش ہے، پوراسیٹ دارالحمد اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے اس نمبر 7016565842 سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

....

تعارف کتب:

اتر پردیش کے قلم کار

تبصرہ:مفتی شرف الدین عظیم الاعظمی

نام کتاب:اتر پردیش کے قلم کار،مصنف وناشر:احسن امام احسن،صفحات:۳۳۲،قیمت:۴۰۰/روپے،

عہد رواں میں اردو شعروادب کے دشت بیکراں میں سیاحت کرنے والوں اوراس وادی میں مسلسل آبلہ پائی کے نتیجے میں صد رنگ لالہ وگل سے ادبی فضا کو مشکبار کرنے والوں میں ایک معتبر نام احسن امام احسن کا بھی ہے،وہ پیشے سے اگرچہ علم وادب سے یکسر غیر متعلق شعبے میں سرکاری ملازم ہیں،لیکن اس کے باوجود ان کا شعری ونثری سفر پوری آب وتاب سے جاری ہے،حالانکہ علم کش ماحول اورادب بیزار دنیا میں عام طور سے دل کی زمینوں میں فکر ونظر کے جوفطری پودے ہوتے ہیں وہ بھی سوکھ جاتے،ادبی ذوق وشوق اورفنی جذبات کے جو چراغ جلتے ہیں وہ بھی کچھ عرصے میں دم توڑ دیتے ہیں۔مگر احسن امام احسن ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جومخالف ہواؤں کے آگے سپر ڈال کر خود کو حالات کے حوالے کردیں،انھوں نے اردگرد کے ماحول کی اجنبیت اور کج ادائی کی پروانہیں کی،بلکہ اس حوصلہ شکن ماحول میں اپنی ذات کی کائنات کوادبی دلچسپیوں سے مستقل روشن رکھا،اورصلہ وستائش کی پروا کئے بغیر پرورش لوح وقلم میں مکمل یکسوئی کے ساتھ مصروف عمل رہے۔

احسن امام احسن صاحب بہترین شاعر ہیں،ابتدا میں انھوں نے نظم وشعر ہی سے ادبی سفر شروع کیا تھا،اور اس میں وہ کامیاب بھی تھے سمندر شناس کے نام سے ان کی غزلوں اورخواب سمندر کے عنوان سے نظموں کے مجموعے منظر عام پرآ کر ادبی حلقوں سے داد تحسین وصول کرچکے ہیں،اس دوران انہیں احساس ہوا کہ قلب کے جذبات واحساسات کے اظہار کے لئے نظم کی طرح نثر بھی مضبوط وسیلہ ہے اس شرط کے ساتھ کہ اس صنف میں اظہار کی قوت وصلاحیت موجود ہو،اس صلاحیت کوانھوں نے اپنے اندر محسوس کیا اور پھر پورے اعتماد کے ساتھ نثر نگاری میں قدم رکھا،اب تک ان کے قلم سے تاثراتی مضامین،اور خاکے وتذکرے کے موضوع پر متعدد کتابیں،مہاراشٹر کے قلم کار،جھارکھنڈ کے قلم کار،بہار،بنگال اوڈیشہ کے قلم کار کے نام سے طبع ہوکر منظر عام پرآچکی ہیں اس سے ان کے قلمی سفر کی تیز گامی کا اندازہ ہوتا ہے۔

زیر نظر کتاب،اتر پردیش کے قلمکار،اسی سلسلے کی زریں کڑی ہے،جس میں یوپی کے خاص خاص شعراء ادباء،نثر نگار،اورافسانہ نگار کا تذکرہ کیا گیا ہے،لیکن عموماً ان کے ذاتی احوال وکوائف اورسوانحی حالات سے زیادہ تعرض نہیں کیا گیا ہے بلکہ احسن امام صاحب نے اپنے قلم کوزیادہ تر فنی کمالات اور کارناموں کی طرف مرکوز کر رکھا

ہے انھوں نے اپنے معاصرین کے ساتھ ساتھ عہد گذشتہ کے اساطین شعروادب کی تخلیقات کے مطالعے کے بعد جو کچھ محسوس کیا، فنی کوتاہیوں اور کمیوں پر نقد وجرح سے کنارہ کش ہوکر اسے سینۂ قرطاس پر بے کم وکاست منتقل کردیا، اس لحاظ سے ان کی تحریریں اصلا تاثراتی مضامین اور تعارفی خاکوں کی صنف میں داخل ہیں، تاہم کہیں کہیں تبصروں اور تجزیوں کی زیریں سطح پر تنقید کی لہریں بھی محسوس ہوتی ہیں، مگر اس کی لے بہت دھیمی اور اس کا رنگ بہت ہلکا ہے اور احسن صاحب نے اس کتاب میں اس کا دعویٰ بھی نہیں کیا ہے۔

اس مجموعہ میں کل ۵۵ شخصیات کا ذکر ہے جس میں ان کے اساتذہ بھی ہیں، ملک کے نامور شعراء ونثر نگار بھی ہیں، شعروادب کے حوالے سے ادبی منظر نامے پر اپنی ا شناخت بنانے والی کچھ خواتین بھی ہیں اور بیشتر نئی نسل کے غیر معروف شعراء اور تازہ واردانِ بساطِ ادب بھی ہیں مؤخرالزکر طبقے پر مصنف نے نسبتاً زیادہ توجہ اس لیے مرکوز کی ہے تاکہ ان تحریروں کے ذریعے نئے قلم کاروں کی حوصلہ افزائی ہو، اور ان لفظوں سے وہ حوصلوں کی اسپرٹ لے کر آسمان عظمت کی طرف پرواز کرسکیں۔

نامور قلم کار جن کے فن پر اظہار خیال کیا گیا ہے، ان میں ڈاکٹر تنویر علوی، ڈاکٹر مظہر نسیم، خاموش غازی پوری، کیفی بلگرامی، ڈاکٹر سید علی حیدر، علی احمد فاطمی، آفاق فاخری، اختر شاہجہاں پوری، اور ہم عصر شعراء واہل قلم میں شرافت حسین، حباب ہاشمی، حبیب اجملی، راشد جمال فاروقی، مینا نقوی، فریاد آزر، ایم نسیم اعظمی، ڈاکٹر وجہ القمر صدیقی، صابر جوہری، عامل سلطان پوری، اور نشاط فاطمہ بطور خاص قابل ذکر ہیں، جن کی فنی عظمت تخلیقی مہارت، اور شاعرانہ صلاحیتوں پر کھل کر اظہار خیال کیا گیا ہے، اور ان کی تخلیقات کے تجزیے کی روشنی میں ان کے مرتبے کی تعیین کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

احسن امام احسن کی تحریریں بالکل سادہ عام فہم، اور بھاری بھرکم ادبی ولسانی تعبیرات واصطلاحات سے منزہ ہوتی ہیں، وہ اپنے خیالات واحساسات اور تاثرات وکیفیات کی پیکر تراشی میں کسی تکلف سے کام لیتے ہیں اور نہ ہی مشکل ترکیبوں اور ثقیل جملوں کے ذریعے تصنع وتزئین کاری سے، مگر اس سادگی میں بھی شگفتگی اور بے ساختگی میں بھی جاذبیت ودلکشی کا دوران مطالعہ احساس ہوتا رہتا ہے۔

کتاب کے شروع میں ناموران ادب پروفیسر ابوذر عثمانی سابق صدر شعبہء اردو یونیورسٹی ہزاری باغ، پروفیسر مقبول احمد اودگیر مہاراشٹر، ڈاکٹر آفاق عالم صدیقی زبیدہ ڈگری کالج کرناٹک، معروف مبصر معراج احمد معراج مغربی بنگال کی مفصل توصیفی تحریریں ہیں جو اس کتاب کی وقعت میں اضافہ کا باعث ہیں، معنوی خوبیوں کی طرح کتاب کا ظاہر بھی جمالیات کا نمونہ ہے، کاغذ اعلیٰ قسم کا استعمال ہوا ہے، کتابت بھی صاف ہے تاہم کہیں کہیں پروف کی غلطیاں راہ پا گئی ہیں سرورق بھی دلکش اور خوبصورت ہے۔

مصنف کے درج ذیل رابطہ نمبر: 9556873697 سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

خطوط:

آپ کے خطوط

یہ ماہنامہ ''الماس'' کی چوتھی جلد کا چھٹا شمارہ پیش نظر ہے۔اس کے مدیر مولانا مفتی شرف الدین اعظمی قابل تحسین ولائق ستائش ہیں اوران کی ہمت قابل رشک ہے،ان کے عزم وحوصلہ کی داد دینی چاہئے کہ علم وادب کی اس کساد بازاری کے دور میں مسلسل ساڑھے چار سال سے علم وادب کی پاسبانی کرتے نظر آرہے ہیں۔جولوگ اس راہ سے گزرے ہیں ان کوخوب اندازہ ہے کہ ماہنامہ رسالہ نکالنا وہ بھی وقت پر،کس قدر مشکل کام ہے،اولاً تو اس کا پیٹ بھرنا جو ہر ماہ منہ پھاڑے مضامین کا منتظر ہوتا ہے،اس کے بعد بغیر کسی ادارے کے تعاون کے اس کی اشاعت ،مشکل در مشکل والا معاملہ ہے، پھر بھی وہ اسے اپنے ''جذبۂ بے کراں'' کی بدولت سر کئے جارہے ہیں، حیرت کی بات یہ ہے کہ اپنی امامت وخطابت اور معلم الصبیانی کے ساتھ اس رسالہ کا ایک تہائی پیٹ خود اپنی تحریروں سے بھرتے ہیں،بارک اللہ فی جھودہ ومساعیہ۔آج کے دور میں عملی تعاون تو خیر بڑی بات ہے،قلمی حوصلہ افزائی میں بھی کوتاہ قلمی کا ہی معاملہ رہتا ہے۔

اس کے اداریہ کا عنوان'' آئینہ ایام'' ہے،جس میں وقتی حالات ومسائل پر گفتگو ہوتی ہے اوراس پر مدیر کا فاضلانہ تبصرہ وتجزیہ ہوتا ہے،عموماً یہ اداریہ تین یا چار موضوعات پر ہوتا ہے،اس ماہ کے موضوعات یہ ہیں: پیامِ عید الاضحیٰ ۔حالیہ انتخابات پر متعصّبانہ شبہات کے بادل،اور غاصب خنزیری حکومت کی عالمی عدالت میں ہٹ دھرمی ۔ اس کے بعد مدیر محترم کے قسط وار مضمون ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک حیات بخش فرمانروا'' کی تیسری قسط ہے،اس مضمون میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمرانی وآئین جہاں بانی کے طرز واصول کو واقعات سیرت کی روشنی میں پیش کیا جارہا ہے۔اس کے بعد ملک کے معروف صاحب قلم عالم دین، ماہنامہ البدر کاکوری کے مدیر شہیر مولانا عبد العلی فاروقی مدظلہ کا مضمون ''سفرحج: ایک سفر فرزانگی سے دیوانگی کا'' ہے۔جس میں سفرحج کے مقاصد کے ساتھ اس میں ہونے والی بے اعتدالیوں پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔اس کے بعد ہمارے کرم فرما محترم الحاج ریاض احمد خاں مرحوم کی صاحبزادی ڈاکٹر سمیہ ریاض کا مضمون ''قربانی: ایک حکم خداوندی اور معاشی استحکام'' ہے، جو قربانی کو اسراف کہنے والے لبرل مسلمانوں کے لئے ایک آئینہ ہے۔

میں نے آج سے بیس سال پہلے ماہنامہ ضیاء الاسلام میں اپنے استاذ مولانا اعجاز احمد اعظمی علیہ الرحمہ کے حکم پر ایک مضمون ''خاصان خدا کے آخری لمحاتِ زندگی'' شروع کیا تھا، جو سست روی کے ساتھ چلتا رہا اور ماہنامہ ضیاء الاسلام کے بند ہوتے ہی اس کا سلسلہ بھی رک گیا،حضرت الاستاذ کی خواہش تھی کہ جب اس کی ایک معتد بہ مقدار ہوجائے تو کتابی شکل میں شائع کیا جائے،اسی کے پیش نظر مدیر محترم کی ایما پر اسے شروع کیا ہے اوراس ماہ حضرت

مولانا علی میاں ندوی علیہ الرحمہ کے دادا مولانا حکیم فخر الدین خیالیؒ کے مختصر حالات اور ان کے سفر آخرت کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ مفتی صفوان جونپوری کا مقالہ ''ام المومنین حضرت خدیجہؓ'' اور مولانا فضل الرحمٰن اصلاحی کا مقالہ ''حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کی یاد میں'' بھی خاصے کی چیز ہیں۔ مولانا محمد عرفات اعجاز اعظمی نے اپنے مقالہ ''متاع وقت اور کاروانِ علم'' ایک مطالعہ میں مولانا ابن الحسن عباسی کی اس قیمتی کتاب کا بہترین تعارف کرایا ہے، یہ مضمون کی پہلی قسط ہے۔ اس کے بعد ایک فقہی مقالہ ''انسانی اعضا کی پیوند کاری کا شرعی حکم'' ہے، جو ایک نوجوان فاضل مولانا مفتی نسیم ظفر بلیاوی کی کاوش قلم کا نتیجہ ہے، مضمون سے ان کی محنت کا اندازہ ہوتا ہے، انھوں نے گزشتہ سال مولانا مفتی ولی اللہ مجید قاسمی کی زیر نگرانی افتاء کی تکمیل کی ہے۔

اعظم گڑھ کے ایک گمنام ادیب وسخنور اور ماہر تعلیم قاضی عبدالرحمن حیرتؔ تھے، جن کا علامہ شبلی نعمانی اور ان کے خانوادے سے گہرا اور قریبی تعلق تھا، ماہر شبلیات ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی نے ''قاضی عبدالرحمٰن حیرت اور ان کا سرمایہ ادب اطفال'' کے عنوان سے ادب اطفال سے متعلق ان کی خدمات کا تعارف کرایا ہے، یہ اس کی پہلی قسط ہے۔ اس کے بعد خواجہ کوثر حیات اورنگ آباد کے مضمون ''تاروں بھرے آسمان سے یہ مٹھی بھر تارے'' کی دوسری وآخری قسط ہے، اس مضمون میں فاضل مضمون نگار نے ''شیخ عقیل احمد کی کتاب ''فن تضمین نگاری تنقید وتجزیہ'' اور ان کی دوسری ادبی وتنقیدی تحریروں پر گفتگو کی ہے۔ اس کے بعد تعارف کتب کے تحت مدیر محترم کے قلم سے ان تین کتابوں کا تعارف ہے: ۱۔ اصحابِ مصطفیٰ، مولانا شفیق احمد اعظمی قاسمی ۲۔ تزکیۃ الایمان [تسہیل وتلخیص تقویۃ الایمان] مولانا محمد ابراہیم ندوی ۳۔ ارمغان میوات، [بیاد استاذ العلماء مولانا عبدالسبحان خان میواتی] مرتب: ڈاکٹر عارف الیاس ندوی صفحہ ۴۷ پر مفتی آزاد بیگ کے قلم سے ''آپ کے مسائل'' کا جواب ہے، اڑتالیسویں اور آخری صفحہ پر جناب عبدالسمیع فداؔ بھیروی کی غزلیہ رنگ میں نعت اور غزالہ انجم کی غزل ہے۔

آج الیکشن کی وجہ سے مدرسہ نہیں جانا ہے، لیپ ٹاپ ہاتھ میں تھا اسی وقت یہ رسالہ ملا تو پڑھنے کے ساتھ اس کا ایک سرسری تعارف بھی لکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ مدیر محترم اور ان کے رفقاء کی اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے، ان کے حوصلوں کو بلند رکھے اور مزید دینی وعلمی اور ادبی خدمات کی توفیق بخشے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

ضیاء الحق خیرآبادی

....

میری ناقص معلومات کے اعتبار سے یہ رسالہ بحیثیت اردو ادب ہندوستان کا ایک منفرد رسالہ ہے خصوصاً مدیر اعلیٰ صاحب کی تحریر تو اس میں مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ جھلک دکھتی ہے۔

ابن منصور روشنی گروپ

خبر:

خبر ونظر

ادارہ

ماہر شبلیات ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی شبلی ایوارڈ سے سرفراز:

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی علم وادب اور تحقیق وتصنیف کی دنیا کا انتہائی معتبر اور نمایاں نام ہے خاص طور سے معارف شبلی کی تشریحات کے حوالے سے ان کی شخصیت روشن استعارہ ہے، انھوں نے علامہ شبلی اور ان کے علوم وافکار پر اس قدر وسیع اور وقیع کام کیا ہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی، اب تک ان کے ادیبانہ ومحققانہ قلم سے مختلف موضوعات پر ۶۲/اور جہان شبلی کے متنوع گوشوں پر ۳۶/کتابیں وجود میں آچکی ہیں، شخصیت کی عظمت اور اس کے افکار کی معنویت ومقبولیت کے لحاظ سے علامہ شبلی اور ان کی تشریح وتفہیم کے حوالے سے ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی امتیازی شان اور انفرادی مقام رکھتے ہیں۔

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی کی انتظامیہ کی طرف سے ماہر شبلیات کو ایوارڈ سے نوازنے کا فیصلہ قابل ستائش ہے، کہ اس نے ڈاکٹر صاحب کی گراں قدر خدمات کے اعتراف میں ۲۴/جون ۲۰۲۴ء کو اکیڈمی کے کانفرنس ہال میں تقریب منعقد کرکے پہلی بار سرٹیفکیٹ شال اور پچاس ہزار نقد کی صورت میں شبلی ایوارڈ سے نوازا، ایوارڈ کی پچاس ہزار کی رقم ڈاکٹر صاحب نے اسی وقت اکیڈمی کی نذر کردی، اس اعزاز پر ادارہ الماس اپنے سرپرست ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی خدمت میں صدق دل سے تہنیت اور مبارکباد پیش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کے فیض کو عام فرمائے اور انہیں صحت وسلامتی کی دولت سے مالا مال فرمائے۔آمین۔

....

مولانا نظیر حیدر صاحب قاسمی کا سانحہ ارتحال:

۲۶/جون ۲۰۲۴ء بروز منگل نیرول ممبئی میں رہائش پزیر مولانا نظیر حیدر صاحب قاسمی کا حرکت قلب کے بند ہونے سے اچانک انتقال ہوگیا، مولانا مرحوم سے ہمارے اہل خانہ سے بڑے گہرے مراسم تھے، وہ بڑے خلیق ملنسار اور علماء نواز تھے، تعلیم کی تکمیل کے بعد ہی ممبئی آگئے تھے نیرول کی جامع مسجد میں امام وخطیب تھے، اس وقت مسجد چھپر کی تھی، بعد میں دیگر مصروفیات کے باعث مستعفی ہوکر گھر پر ہی رہتے تھے، علماء وحفاظ اور طالب علموں کی بڑی قدر کرتے تھے، وہ محبت کے آدمی تھے اور محبت ہی بانٹتے تھے، وقت موعود آیا اور اچانک آخرت کی طرف محوسفر ہوگئے۔

مرحوم کے سانحۂ انتقال پر ادارہ ''الماس'' کی طرف سے راقم مفتی مرغوب، مولانا راغب اور عزیزم غالب سلمہ سے گہرے رنج اور تعزیت کا اظہار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے۔آمین۔

آپ کے مسائل

مفتی محمد آزاد بیگ
استاذ جامعہ معراج العلوم چیتا کیمپ ممبئی

سوال: ۱: ہمارے ایک حاجی ساتھی نے وقوف عرفہ اور قربانی وحلق کے بعد طواف زیارت سے قبل بیوی سے ایک بار صحبت کرلیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: ۱: راجح قول کے مطابق ان حاجی صاحب کو لازم ہے کہ ایک بکرا یا بکری کی قربانی حرم میں دے دیں۔ **و بعد الحلق قبل الطواف شاة لخفة الجناية** (درمختار: ۳، ۵۹۴ رزکریا) **قوله او جامع بعد الحلق انما يجب شاة ان جامع بعد الحلق قبل الطواف لقصور الجناية** (البحر الرائق: ۱۶،۳، الفتاوی الهنديه: ۱، ۲۴۵، کتاب النوازل: ۷، ۴۱۹، کتاب المسائل: ۳،۴۰۶)

سوال: ۲: اگر کسی نے ۱۱ر یا ۱۲ر ذی الحجہ کی رمی زوال سے پہلے کرلیا ہے اور اب وقت بھی نکل چکا ہے اور اس نے زوال کے بعد اعادہ بھی نہیں کیا تو اب وہ کیا کرے اس کا کفارہ یا اس کا تدارک کس طرح کرے؟

الجواب: ۲: ۱۱، ۱۲ر کی رمی زوال کے بعد کرنا واجب ہوتا ہے زوال سے پہلے رمی کرنا جائز نہیں ہے اب جب کہ اس نے زوال کے بعد اعادہ بھی نہیں کیا ہے تو اب اس پر ترک واجب کی وجہ سے دم دینا لازم ہے ایک بکرا یا بکری حدود حرم میں ذبح کرا دے۔ **ولو قديم الرمی علی الزوال لا يكفي وعليه الدم ان لم يعده بعد الزوال** (کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة: ۱، ۶۶۸ / مستفاد انوار مناسک: ۴۸۸)

سوال: ۳: اگر کسی نے طواف زیارت ۱۲ر ذی الحجہ کے غروب کے بعد کیا تو کیا اس کا حج درست ہوگا یا نہیں اور کیا اس کو دم میں بدنہ دینا ہوگا یا بکرا بکری کی قربانی واجب ہوگی؟

الجواب: ۳: اگر طواف زیارت ۱۲ر ذی الحجہ کے غروب کے بعد کیا ہے تو ترک واجب کی وجہ سے ایک دم دینا واجب ہے، حج بہرحال درست ہوجائے گا یعنی ایک بکرا یا بکری کی قربانی حدود حرم میں دینا واجب ہے۔ **فلو اخره عنها و لو الي اليوم الرابع الذی هو آخر ايام التشريق ليلته متذكرة تحريما و لزمه الد و هو الصحيح.**

(غنية الناسک: ۱۷۸، البحر العميق، ۳، ۱۸۲۹، در مختار: ۳، ۵۳۸، بدائع الصنائع: ۲، ۳۱۴، کتاب المسائل: ۳، ۳۴۳)

سوال: ۴: ہماری والدہ نے ۱۱، ۱۲ر ذی الحجہ کی رمی جمرات نہیں کرسکیں، کیونکہ بیماری اور کمزوری سے چل نہیں سکتی تھی ان کی طرف سے نیابت کرتے ہوئے والد صاحب نے پہلے اپنی رمی کی، پھر والدہ کی طرف سے رمی کیا تو کیا ایسا کرنا درست ہوا یا ان کو دم دینا ہوگا؟

الجواب: ۴: مریض، کمزور اور معذور کی طرف سے رمی جمرات میں نیابت جائز ہے لہٰذا جب آپ کے والد نے والدہ کی معذوری کی حالت میں ان کی طرف سے نیابتاً رمی کرلیا ہے تو یہ رمی درست ہوگی کوئی دم لازم و واجب نہیں ہوگا۔

(مستفاد غنية الناسک: ۱۰۰، بدائع: ۲، ۱۷۲، انوار مناسک: ۵۰۱)

غزل

وسیم بریلوی

سب نے ملائے ہاتھ یہاں تیرگی کے ساتھ
کتنا بڑا مذاق ہوا روشنی کے ساتھ

شرطیں لگائی جاتی نہیں دوستی کے ساتھ
کیجے مجھے قبول مری ہر کمی کے ساتھ

تیرا خیال تیری طلب تیری آرزو
میں عمر بھر چلا ہوں کسی روشنی کے ساتھ

دنیا مرے خلاف کھڑی کیسے ہو گئی
میری تو دشمنی بھی نہیں تھی کسی کے ساتھ

کس کام کی رہی یہ دکھاوے کی زندگی
وعدے کیے کسی سے گزاری کسی کے ساتھ

دنیا کو بے وفائی کا الزام کون دے
اپنی ہی نبھ سکی نہ بہت دن کسی کے ساتھ

قطرے وہ کچھ بھی پائیں یہ ممکن نہیں وسیمؔ
بڑھنا جو چاہتے ہیں سمندر کشی کے ساتھ

....

غزل

نوشاداشہراعظمی

سب نے سمجھا تھا چراغوں کے جلانے سے رہی
روشنی بزم میں جو آپ کے آنے سے رہی
یہ تواضع یہ تسلی مرے کس کام کی ہے
جب شکایت ہی نہیں کوئی زمانے سے رہی
کوئی دریا ہی بجھائے گا بجھانا ہے اگر
یہ ہوا دل میں لگی آگ بجھانے سے رہی
خواب؛ امید؛ وفا؛ عشق؛ تمنا؛ چاہت
زندگی ساتھ مرے کتنے بہانے سے رہی
میں مسافر مری منزل ہے بدن کے اس پار
سانس کی ڈور مرا ساتھ نبھانے سے رہی
زرد پوشاک میں آتی ہے نظر یہ جو بہار
پھول خوش رنگ گلستاں میں کھلانے سے رہی
موت آئے تو ہٹے پردۂ اسرار جہاں
زندگی تو ہمیں یہ راز بتانے سے رہی
تختۂ دار سے ابھرے گی صداقت بن کر
یہ حکومت مری آواز دبانے سے رہی
ماہ و انجم ہیں نہ امید کا سورج کوئی
نا امیدی کی سیہ رات تو جانے سے رہی
باز حق گوئی سے میں بھی نہیں آیا اشہر
باز دنیا بھی کہاں زہر پلانے سے رہی

....